اُسوہ حسنہ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اُسوہ حسنہ

(تقریر فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۳ء برموقع جلسہ سالانہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج جس موضوع پر مَیں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اُس کے متعلق میرا ارادہ تو پہلے سے ہی تھا کہ مَیں اِسے جماعت کے سامنے بیان کروں مگر مزید تحریک مجھے اِس طرح ہوئی کہ ایک احمدی نوجوان نے مجھے لکھا کہ ہمارے جلسہ کی تقریروں میں جہاں علمی مضامین بیان کئے جاتے ہیں یا ایسے مضامین پر تقاریر کی جاتی ہیں جو بحث مباحثہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں وہاں جماعت کی تربیت اور اصلاحِ اخلاق کے متعلق بہت کم مضامین بیان کئے جاتے ہیں اِس سے مَیں نے سمجھا کہ یہ ایک الٰہی تحریک ہے جو میرے ارادہ کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہونی شروع ہوگئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب مَیں یہاں آ کر بیٹھا تو ایک غیر مُسلم دوست نے مجھے ایک رُقعہ دیا جس میں اِسی مضمون کے ایک حصہ کے متعلق خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ مَیں اس کے متعلق کچھ بیان کروں۔ مَیں نے اِن دونوں تحریکات سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہی ہے کہ یہ مضمون جماعت کے سامنے بیان کر دیا جائے۔

نمونہ کی مطابقت دنیا کے ہر کام میں ملحوظ رکھی جاتی ہے

یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر چیز کیلئے ایک نمونہ مقرر کیا ہوا ہے جب ہم اُس نمونہ کی نقل کرتے ہوئے کسی چیز کو تیار کر لیتے ہیں تو ہم اپنے کام میں کامیاب سمجھے جاتے ہیں لیکن جب ہمارے سامنے کوئی نمونہ نہیں ہوتا تو ہم کئی قسم کی

غلطیاں کر جاتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ملک میں روزانہ تجارتی کاموں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ دس روپے لو اور مجھے اِس کے عوض گندم بھجوا دو۔ جب گندم والا اُسے گندم بھجوا دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مَیں نے تو ایسی گندم بھجوانے کے لئے نہیں کہا تھا مَیں نے تو اَور قسم کی گندم کا مطالبہ کیا تھا اور جس نمونہ کے مطابق گندم بھجوانے کا مَیں نے آرڈر دیا تھا اُس کو تم نے ملحوظ نہیں رکھا۔ اِسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب سَو دا لو تو دیکھ کر لو تا کہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ یوروپین قوموں نے اِنہی جھگڑوں کو دیکھتے ہوئے ہر قسم کے نمونے اپنے پاس رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور انہی نمونوں کے مطابق وہ اَجناس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اچھی گندم، اچھی کپاس، اچھی جوار اور اچھے چاولوں وغیرہ کے نمونے انہوں نے شیشے کے بڑے بڑے مرتبانوں میں بند کر کے رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن مرتبانوں پر وہ تمام کوائف لکھ دیتے ہیں کہ یہ گندم یا کپاس فلاں قسم کی ہے۔ فلاں خصوصیات اِس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اِسی طرح اس کی صفائی وغیرہ کے متعلق بھی جو شرائط ضروری ہوں وہ بھی اُوپر درج کر دیتے ہیں اور جب وہ اُسی قسم کی جنس کہیں سے خریدنا چاہتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ نمونہ موجود ہے ہمیں ایسی گندم یا ایسی جوار یا ایسی کپاس چاہئے۔ اگر تاجر اس قسم کی گندم یا کپاس مہیا کر دینے کا وعدہ کرے تو گورنمنٹ اپنے ریکارڈ میں اس امر کو محفوظ کر لیتی ہے کہ فلاں فرم کے تاجر سے اِس نمونہ کے مطابق گندم یا کپاس لینی ہے۔ پھر جب وہ گندم یا کپاس مہیا کرتا ہے تو ماہرین فن نمونہ کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں کہ وہ جنس کہاں تک نمونہ کے مطابق ہے۔ اگر وہ نمونہ کے مطابق ہو اور کسی قسم کا نقص اُس میں نہ ہو تو گورنمنٹ اُس مال کو لے لیتی ہے ورنہ ماہرین فن یہ اندازہ لگا کر کہ نمونہ کے مقابلہ میں کس قدر کمی ہے حرجانہ ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ یہ نمونہ سے فلاں فلاں بات میں اختلاف رکھتی ہے اس لئے ہم اِس قدر حرجانہ تجویز کرتے ہیں۔

غرض یقینی طور پر کسی چیز کے اعلیٰ ہونے کے متعلق تبھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے جب ہمارے پاس کوئی نمونہ موجود ہو اور یہ دیکھ لیا جائے کہ جنس نمونہ کے مطابق ہے یا نہیں۔ انسانی کاموں میں چونکہ اُتار چڑھاؤ ہمیشہ جاری رہتا ہے اس لئے تھوڑی بہت کمی کا ہمیشہ احتمال رہتا ہے مگر

جب بھی اِس قسم کی کوئی کمی ہو وہ لوگ جو جج مقرر ہوتے ہیں فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ کمی اِس قابل ہے کہ اِسے نظر انداز کر دیا جائے یا یہ قابلِ گرفت کمی ہے۔ اگر تو وہ کہہ دیں کہ یہ کمی ایسی نہیں جو قابلِ توجہ ہو اِسے نظر انداز کرنا چاہئے اور اس چیز کو ویسا ہی سمجھ لینا چاہئے جیسے نمونہ ہے تو اُسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اگر زیادہ کمی ہو تو پھر اس کمی کے مطابق حرجانہ ڈال دیا جاتا ہے۔ بہر حال جب کسی چیز کو قبول کیا جاتا ہے تو اُسی صورت میں قبول کیا جاتا ہے جب وہ نمونہ کے مطابق ہو یا اگر نمونہ کے پورے طور پر مطابق نہ ہو تو ایسی معمولی کمی ہو کہ لوگ کہہ دیں کہ یہ چیز ویسی ہی ہے تھوڑی بہت کمی نظر انداز کئے جانے کے قابل ہے۔

اخلاقی امور میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء دنیا کیلئے نمونہ ہوتے ہیں

جس طرح دنیا کی اور چیزوں کے متعلق نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بغیر نمونہ کے لین دین مکمل نہیں ہو سکتا اور انسان کو یہ تسلی نہیں ہو سکتی کہ مَیں نے نمونہ کے مطابق کام کر لیا ہے یا نہیں۔ اِسی طرح اخلاقی کاموں میں بھی کسی نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ نمونہ ہمیشہ ہی انبیاء کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ باقی مذاہب بھی اِس بات پر متفق ہیں کہ نبیوں کے ذریعہ ہی قوم کی اخلاقی اور روحانی ترقی ہوتی ہے جس جس زمانہ میں اللہ تعالیٰ اخلاق کے جس نمونہ کی خریداری چاہتا ہے نبی کے ذریعہ وہ نمونہ بھجوا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ایسا نمونہ چاہئے جو شخص اُس نمونہ کے مطابق اپنے آپ کو بنائے گا اُسے قبول کر لیا جائے گا اور جو اُس نمونہ کے مطابق نہیں ہوگا اُسے ردّ کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ [۱] اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے اموال لے لئے ہیں اور اِس کے بدلہ میں اُن سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں جنت میں داخل کر دے گا۔

اِس آیت میں جو اَنْفُس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اُس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اُس سے ہر قسم کی جان مراد ہے یا بعض شرائط کے مطابق جان مراد ہے؟ اگر ہر قسم کی جان مراد لی جائے تو اِس کے معنی یہ ہونگے کہ خواہ کوئی منافق شخص ہو یا عملی لحاظ سے کتنا ہی کمزور

مومن ہو محض اِس وجہ سے کہ اُس نے اپنے منہ سے ایمان کا اظہار کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی جان کو قبول کر لے اور اُسے جنت میں داخل کر دے مگر ظاہر ہے کہ یہ معنی درست نہیں ہو سکتے کیونکہ اسلام نے اِس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ محض ایمان کا دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل چیز دل کا اخلاص اور وہ عمل ہے جو ایمان کے ساتھ کام کر رہا ہوتا ہے۔ پس جب کہ اَنْفُس سے ہر قسم کی جان مراد نہیں لی جا سکتی تو کوئی نہ کوئی معیار ایسا ہونا چاہئے جس کے مطابق لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ خدا تعالیٰ کس قسم کی جان قبول فرمائے گا تا کہ اُس معیار اور اُس نمونہ کے مطابق لوگ اپنی جانوں کو بنانے کی کوشش کریں اور وہ سمجھ سکیں کہ اگر اس نمونہ کے مطابق ہماری جان ہوگی تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرمالے گا اور اگر نہیں ہوگی تو اُسے ردّ کر دے گا۔ یہ نمونہ جیسا کہ مَیں نے ابھی بتایا ہے زمانہ کا نبی ہوتا ہے۔ آدم کے زمانہ میں جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانیں خریدیں تو مطلب یہ تھا کہ سب لوگ آدم کے مشابہہ ہو جائیں۔ گویا آدمؑ کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا کہ ہم یہ نمونہ تمہاری طرف بھیج رہے ہیں اس کے مطابق جو جانیں ہونگی وہ ہم قبول کر لیں گے۔ پس آدمؑ کے زمانہ میں جو جان آدمؑ کے مطابق تھی وہی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، دوسری کوئی جان اُس نے قبول نہیں فرمائی۔ نوحؑ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ نوحؑ کے مطابق اپنی جانیں لے آؤ مَیں انہیں قبول کر لوں گا۔ ابراہیمؑ کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ ابراہیمؑ کے نمونہ کے مطابق اپنی جانیں لے آؤ مَیں تمہیں قبول کر لوں گا۔ موسٰیؑ کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ موسٰیؑ جیسے نفس میرے سامنے لے آؤ مَیں اُن نفوس کو قبول کر لوں گا۔ اِسی طرح ہندوستان میں اُس نے حضرت کرشنؑ اور حضرت رام چندرؑ کو بھیج کر اعلان فرما دیا کہ یہ لوگ میرے نمونہ ہیں اِن کے مشابہہ اپنے آپ کو بنالو، مَیں تمہیں نجات دے دوں گا۔ ایران میں اعلان فرما دیا کہ ہم زرتشتؑ کو ایک نمونہ کے طور پر بھیج رہے ہیں اس کے مشابہہ اپنی جانوں کو بنا لو مَیں تمہیں جنت دینے کیلئے تیار ہوں۔ عراق کے علاقوں میں اعلان فرما دیا کہ ایوبؑ نبی کی طرح اپنے آپ کو بنا لو مَیں تم سے راضی ہو جاؤنگا۔

غرض یہ سلسلہ آدمؑ سے چلا اور چلتا چلا گیا۔ کسی زمانہ میں خدا تعالیٰ نے داؤدؑ کو نمونہ بنایا،

کسی زمانہ میں سلیمانؑ کو نمونہ بنایا، کسی زمانہ میں اسحاقؑ اور اسماعیلؑ کو نمونہ بنایا اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نمونہ بنایا اِسی طرح آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پاک نفس لے آ ؤ تو مَیں تمہیں نجات دے دونگا۔

غرض خدا تعالیٰ نے ایک طرف خریداری کا اعلان کر دیا اور دوسری طرف ایک نمونہ بھی بھیج دیا۔ جیسے مختلف ایسوسی ایشنز میں مختلف نمونے رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اِس ایسوسی ایشن کے ساتھ اگر سَودا طے کرنا ہے تو اس کے تجویز کردہ نمونہ کے مطابق جنس لے آ ؤ یا اگر نمونہ کے مطابق نہیں تو اس کے قریب قریب ضرور ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ چونکہ بڑا رحیم و کریم ہے اس لئے اُس نے دُنیوی ایسوسی ایشنز سے مختلف طریق رکھا ہوا ہے۔ یہ ایسوسی ایشنز قریب کے اَور معنی لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ قریب کے اَور معنی لیتا ہے۔ یہ تو قریب کے یہ معنی لیتی ہیں کہ بیس کی جگہ ہم پونے بیس بھی قبول کر لیں گی مگر اللہ تعالیٰ چونکہ بہت ہی رحیم و کریم ہے اس لئے وہ بیس کی جگہ سات آٹھ بھی قبول کر لیتا ہے اور اس کے نزدیک یہ بھی قریب قریب کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ صرف ایک حد تک مشابہت اس چیز میں موجود ہونی چاہئے گویا ایک حد تک جب اعمال میں اصلاح ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو قبول فرما لیتا ہے اور کہتا ہے یہ چیز بھی ویسی ہی ہے۔

مسئلہ شفاعت کی حقیقت

یہ جو نمونہ کا مسئلہ ہے اِسی کو مسئلہ شفاعت بھی کہتے ہیں۔ لوگ اپنی نادانی اور حماقت کی وجہ سے شفاعت پر بڑے بڑے اعتراض کرتے ہیں حالانکہ شفاعت کا مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے کاٹن ایسوسی ایشنز یا گرین ایسوسی ایشنز اپنی طرف سے بعض لوگوں کو نمائندہ مقرر کر دیتی ہیں جو آرٹ مینز کہلاتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ گندم نمونہ کے مطابق ہے یا نہیں یا روئی کا جو نمونہ دکھایا گیا تھا اُس میں اور مہیا کردہ روئی میں کتنا فرق ہے۔ یا کھانڈ کا جو نمونہ دکھایا گیا تھا اُس کے مطابق کھانڈ مہیا کی گئی ہے یا نہیں اور پھر جو بھی وہ فیصلہ کرتے ہیں اُس کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ اگر تو وہ کہتے ہیں کہ نمونہ میں اور مہیا کردہ چیز میں بہت بڑا فرق ہے تو اُسے ردّ کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ کہتے ہیں یہ چیز نمونہ سے ملتی جلتی ہے تو اُسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہی اصول اللہ تعالیٰ نے عالمِ روحانیات میں

رکھا ہوا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ نے جونمونہ رکھا ہے وہ بولنے والا ہے۔ دنیا میں کپاس بول کر نہیں کہتی کہ فلاں کپاس میرے جیسی ہے اِسی لئے کپاس کی طرف سے کوئی آدمی کھڑا کیا جاتا ہے جو بتاتا ہے کہ یہ کپاس نمونہ کے مطابق ہے یا نہیں۔ گندم یا جوار نہیں کہتی کہ فلاں گندم یا جوار میرے جیسی ہے اِسی وجہ سے گندم یا جوار کی طرف سے ایک شخص مقرر کیا جاتا ہے جو فیصلہ کرتا ہے کہ گندم نمونہ کے مطابق ہے یا نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ دنیا میں جونمونے بھیجتا ہے وہ بولنے والے ہوتے ہیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ہر قوم کا نبی آئے گا اور وہ اپنی اپنی قوم کو دیکھے گا اگر تو وہ کہہ دے گا کہ یہ میرے جیسے ہی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو قبول کر لے گا اور فرمائے گا کہ گو اِن میں کچھ کمزوریاں پائی جاتی ہیں لیکن چونکہ انہوں نے نبی کے نمونہ کے مطابق اپنے آپ کو بنانے کی کوشش کی تھی اس لئے یہ بھی نمونہ کے قریب قریب ہیں۔ لیکن اگر نبی یہ کہے گا کہ فلاں شخص مجھ سے نہیں ملتا تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل نہیں کرے گا[۲] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں اِس لئے آپ کی شفاعت یقیناً سب نبیوں کی شفاعت سے زیادہ ارفع اور زیادہ اعلیٰ ہوگی۔ آپ قیامت تک تمام زمانوں کے لئے نمونہ کے طور پر پیدا کئے گئے ہیں اِس لئے قیامت کے دن آپ لوگوں کے قلوب کو دیکھیں گے کہ انہوں نے کہاں تک محمدی نقش کو قبول کیا ہے۔ اگر اُن میں کچھ کمزوریاں، کچھ غلطیاں اور کچھ کوتاہیاں پائی جاتی ہونگی لیکن بحیثیت مجموعی انہوں نے کوشش کی ہوگی کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بن جائیں تو جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے قلوب کو دیکھیں گے تو فرمائیں گے یہ بھی مجھ سے ملتے جلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم تمہاری اِس شفاعت کی وجہ سے اِن کو جنت میں داخل کرتے ہیں۔

شَفَع لُغت میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ پس شفاعت کا مفہوم یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ یا اللہ! یہ بھی میرا جوڑا ہے، یہ بھی میرا جوڑا ہے، یہ بھی میرا جوڑا ہے پس جن لوگوں کی کمزوریوں کے باوجود اُن کا رسول قیامت کے دن یہ کہہ دے گا کہ اِن کے اخلاق مجھ سے ملتے جلتے ہیں، انہوں نے نیکی میں بڑھنے کی کوشش کی

ہے، انہوں نے میرے نمونہ پر چلنے کی سعی کی ہے اور گو اِن میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں مگر پھر بھی یہ میرے مشابہہ ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے متعلق اپنے رسول کی شفاعت کو منظور کر لے گا اور انہیں نجات یافتہ لوگوں میں داخل کر دے گا۔

کامل نجات شفاعت کے بغیر ناممکن ہے

یہ شفاعت کا مسئلہ ایسا لطیف اور ایسا اعلیٰ درجہ کا مسئلہ ہے کہ بجائے اِس کے کہ اِس پر اعتراض کیا جاتا دنیا کو یہ محسوس کرنا چاہئے تھا کہ کامل نجات شفاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ آخر ساری دنیا کو یہ ماننا پڑے گا کہ انبیاء اِسی لئے آئے کہ لوگ اُن کے نمونہ کی اقتداء کریں۔ ہندو بھی تسلیم کریں گے کہ حضرت کرشنؑ اور حضرت رام چندرؑ کو خدا تعالیٰ نے اسی لئے بھیجا تھا کہ اس زمانہ کے لوگ کرشنؑ اور رام چندرؑ کے نمونہ پر چلیں اور انہیں کے رنگ میں رنگین ہو جائیں۔ مگر کیا ہندو یہ ماننے کیلئے تیار ہیں کہ سارے ہندو کرشن اور رام چندرؑ جیسے بن سکتے ہیں؟ اگر نہیں بن سکتے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی کہ ہم کرشنؑ جیسے بن جائیں، جنہوں نے اخلاص اور محبت کے ساتھ اس راہ میں جدوجہد کی، جنہوں نے پورا زور لگایا کہ کرشنؑ کی خو بو اور کرشنؑ کے اخلاق ان کے اندر سرایت کر جائیں اُن میں اگر کچھ خامیاں رہ گئی ہوں تو عقلِ سلیم چاہتی ہے کہ حضرت کرشنؑ قیامت کے دن اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حضور یہ کہیں کہ اے خدا انہوں نے مجھ جیسا بننے کی پوری کوشش کی تھی اور مَیں دیکھتا ہوں کہ اِن کے دل مجھ سے ملتے جلتے ہیں کچھ تھوڑی سی کمی باقی ہے، مَیں شفاعت کرتا ہوں کہ ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ اُن کی شفاعت کو قبول کر لے۔ یہی وہ مسئلہ شفاعت ہے جو اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت کرشنؑ کہیں گے کہ یہ بھی مجھ جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا بہت اچھا! ہم نے انہیں نجات دے دی۔ حضرت رام چندرؑ فرمائیں گے یہ بھی مجھ سے ملتے جلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا بہت اچھا۔ جب یہ رام چندرؑ جیسے ہیں تو مَیں انہیں کیوں نہ بخشوں۔ غرض اِسی طرح ہر قوم کا نبی آئے گا اور جن جن لوگوں کے متعلق اس قوم کا نبی یہ کہے گا کہ یہ مجھ سے ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سب کو نجات دے دے گا اور فرمائے گا یہ موسیٰ جیسے ہیں، یہ ابراہیمؑ جیسے ہیں، یہ عیسیٰ جیسے ہیں، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہیں، اِن کو

نجات دے دو۔ پس بغیر شفاعت کا مسئلہ ماننے کے انسانی نجات قطعی طور پر ناممکن ہے اسی صورت میں نجات کا امکان سمجھا جا سکتا ہے جب کہ دنیا میں جو لوگ نیک نیتی اور اخلاص سے کام کرنے والے ہیں اُن کی نیک نیتی اور اخلاص کو عمل کا درجہ دے دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اُن کی نیک نیتی اور اُن کا اخلاص ہی عمل کا قائمقام ہے۔ دنیا میں بھی یہی ہوتا ہے دو سپاہی لڑنے کے لئے جاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک آخر تک زندہ رہتا اور فتح پا کر واپس لوٹتا ہے اور دوسرے کو پہلے دن ہی گولی لگتی ہے اور وہ مَر جاتا ہے۔ اب کیا پہلے کو مُلک کا کم خیر خواہ سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو زیادہ خیر خواہ سمجھا جاتا ہے؟ جو پہلے دن ہی گولی لگنے سے مَر گیا اُس نے کب کہا تھا کہ مجھے گولی مار دو اور دوسرا جو آخر تک زندہ رہا اُس نے کب کہا تھا کہ مجھے گولی نہ مارو۔ اِسی طرح لوگ مختلف ماحول میں رہتے اور اُس ماحول کے زیر اثر نیکی میں کم و بیش ترقی کرتے ہیں۔ کوئی شخص نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ نیکی میں ترقی کر جائے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے مطابق اپنے آپ کو بنانے کے لئے سارا زور صَرف کر دیتا ہے لیکن بعض دفعہ موت اُسے روحانیت میں ترقی کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بعض دفعہ گرد و پیش کے حالات اُسے بڑھنے کا موقع نہیں دیتے اور وہ اُسی حالت میں مَر جاتا اور اُس اعلیٰ مقام کو حاصل نہیں کر سکتا جو ویسا ہی ایک دوسرا شخص حاصل کر لیتا ہے۔ اِسی طرح بعض دفعہ خلقی کمزوریاں انسانی ترقی کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ ہر شخص کا دماغ ایک جیسا نہیں ہوتا۔ ایک شخص کا حافظہ تیز ہوتا ہے اور قوتِ فکر اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر دوسرے کا ذہن کُند ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جب یکساں کوشش اور جد و جہد کرنے کے باوجود ایک شخص میں کوتاہی یا کمی پائی جائے گی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی خلقی کمزوری کو مدنظر رکھے گا اور قیامت کے دن فرمائے گا کہ گو اِس میں کمی پائی جاتی ہے مگر چونکہ اُس نے اپنی طرف سے پوری جد و جہد کی اس لئے یہ بھی ویسا ہی ہے جیسے دوسرا شخص۔ مثلاً ایک شخص کا حافظہ بہت اعلیٰ درجہ کا ہے وہ دو مہینے میں سارا قرآن حفظ کر لیتا ہے اور دوسرا شخص ایسا ہے جو دو مہینے میں ایک رکوع بھی پورے طور پر یاد نہیں کر سکتا۔ اب فرض کرو دونوں کوشش کرتے ہیں اور اُن میں سے ایک تو حافظ بن جاتا ہے اور دوسرا حافظ نہیں بن سکتا تو بیشک قیامت کے دن اُن میں سے صرف ایک شخص حافظوں کی

صف میں کھڑا کیا جائے گا مگر سوال یہ ہے کہ دوسرے نے بھی تو حافظ بننے کی پوری کوشش کی تھی۔ پس گو وہ حافظ نہ بن سکا لیکن اُس کی اِس کوشش کی وجہ سے اُس کے حق کو کیوں زائل کیا جائے۔ پہلا شخص اگر حافظ بنا تو اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا دماغ ایسا اعلیٰ درجہ کا بنایا تھا کہ اُس نے دو مہینے میں قرآن حفظ کرلیا اور دوسرا شخص اگر حافظ نہ بنا تو اِس لئے کہ اُس کا دماغ کمزور تھا اور وہ دومہینہ میں ایک رکوع بھی حفظ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر بہر حال چونکہ دونوں نے ایک جیسی کوشش کی ہوگی اِس لئے ضرور ہے کہ ان دونوں کو انعام بھی ایک جیسا ملے۔ پس اگر ایک شخص اپنے اعلیٰ دماغ کی وجہ سے حافظوں میں شمار کیا جائے گا تو دوسرا شخص شفاعت کی وجہ سے حافظ سمجھا جائے گا اور کہا جائے گا کہ چونکہ اس نے حافظ بننے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی اس لئے اِسے بھی حافظ ہی سمجھ لو۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بندوں کی نجات کا ایک ذریعہ یہ بنایا ہے کہ جب کوئی بندہ اخلاص اور نیک نیتی سے کوشش کرتا ہے مگر مجبوریوں یا پیش آمدہ حالات کی وجہ سے اعلیٰ مقام کو نہیں پاسکتا تو قیامت کے دن اُس قوم کا نبی جس کو دنیا میں نمونہ بنا کر بھیجا گیا تھا جب اُسے دیکھے گا تو کہے گا کہ یا اللہ! یہ بھی میرے جیسا ہے اِسے نجات دے دی جائے، پس اللہ تعالیٰ اُسے نجات دے دے گا۔

نجات کا اصل گُر یہی ہے کہ ہر شخص کا عمل اپنے نبی کے نمونہ کے مطابق ہو

پس نجات کا اصل گُر یہ ہے کہ انسان اپنے نبی کے نمونہ کے مطابق ہو یا اِس قدر آپس میں مشابہت پائی جاتی ہو کہ نبی اُسے دیکھ کر کہہ سکے کہ یہ مجھ سے ملتا جلتا ہے اِسے بھی نجات ملنی چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمؑ کے زمانہ میں نجات کا اصل مستحق آدمؑ تھا اِس لئے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ اب وہی شخص جنت میں جائے گا جو آدمؑ سے ملتا جلتا ہوگا۔ جتنے لوگ آدمؑ بنتے چلے جائیں گے وہ جنت میں داخل ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی آدمؑ کی چھوٹی تصویر بنے اور کوئی آدمؑ کی بڑی تصویر بنے، کوئی چھوٹا آدم بنے اور کوئی بڑا آدمؑ بنے مگر بہر حال اُس زمانہ میں آدمؑ بننا ضروری تھا۔ جب تک کوئی شخص چھوٹا آدمؑ نہ بن جاتا وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا

تھا۔ اِس کے بعد اگر نوحؑ دوسرے نبی ہوئے ہیں تو پھر نوحؑ اِس بات کا حق رکھتا تھا کہ لوگ اُس کے مشابہہ ہو جائیں۔ کوئی چھوٹا نوحؑ بن جائے اور کوئی بڑا نوحؑ بن جائے مگر بہر حال نوحؑ بننے کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اِسی طرح کرشنؑ اور رام چندرؑ کے زمانہ میں خدائی فیصلہ یہ تھا کہ جو لوگ کرشنؑ اور رام چندرؑ کے مشابہہ ہوتے چلے جائیں گے اُنہیں اِس مشابہت کی وجہ سے قبول کر کے فضل اور رحمت کے دروازے میں داخل کر دیا جائے گا۔ پھر جب وہ آخری زمانہ آیا جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ اب صِرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جنت میں جائیں گے اور یا پھر وہ لوگ جائیں گے جن کو خدا محمدؐ کا نام دے دے گا۔ اِن میں وہ لوگ بھی شامل ہونگے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل بروز ہونگے، وہ لوگ بھی شامل ہونگے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جزوی بروز ہونگے، وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جنہوں نے اخلاص اور محبت کے ساتھ اپنے دل پر نقش محمدی پیدا کرنے کی کوشش کی، مگر اِس کوشش میں انہیں پوری کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اُنہوں نے اپنے آئینۂ قلب پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تو اُتار لی مگر وہ تصویر ایسی مصفّٰی اور اعلیٰ درجہ کی نہ تھی جیسی مصفّٰی اور اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہئے تھی۔ ایسے تمام لوگوں کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شفاعت کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! یہ بھی مجھ سے ملتا جلتا ہے، یا اللہ! وہ بھی مجھ سے ملتا جلتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا بہت اچھا! ہم انہیں بھی جنت میں بھیج دیتے ہیں۔ غرض ہر نبی کے زمانہ میں نجات کے اصل مستحق اُس نبی کے بروز ہوتے ہیں چاہے وہ ادنیٰ بروز ہوں اور چاہے اعلیٰ بروز ہوں۔

چنانچہ انبیاء کے نمونہ ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ [۳] یعنی اُس دن لوگوں کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت کے سامنے اُن کے نبی کو جسے نمونہ کے طور پر بھیجا گیا تھا پیش کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے یہ نمونہ تمہاری طرف بھیجا تھا۔ اب تم جو کہتے ہو کہ ہمیں جنت میں داخل کیا جائے، تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے آپ کو کہاں تک اِس نمونہ کے مطابق بنایا ہے۔ اگر تم اس نمونہ کے مطابق ہمیں نظر آئے تو تمہیں قبول کر لیا جائے گا اور اگر تم اس نمونہ کے مشابہہ نظر نہ آئے تو ہم تمہیں

صاف کہہ دیں گے کہ یہ سَودا ہمیں منظور نہیں اور تم ردّ کر دیئے جاؤ گے۔

اسی طرح فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ [۴] یعنی اُس وقت کا خیال کرو جب ہم ایک دن تمام قوموں میں سے ایک ایک نبی کھڑا کریں گے جو نمونہ ہونگے اُن تمام اقوام کے لئے اور اُن سے کہیں گے کہ اِس نمونہ کے مطابق ہمیں جنس دیتے چلے جاؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآنی اعلان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ خود آپ کو بطور نمونہ پیش کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ [۵] فرماتا ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے اور اُس کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے پوری کوشش کرو اور جہاں تک زور چل سکتا ہے پورا زور لگا دو۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ اللہ تعالیٰ نے تم کو بڑی برتری اور بزرگی بخشی ہے اور ایسے احکام نازل کئے ہیں جن پر عمل کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اگر تم ویسا ہی نمونہ بننا چاہو جیسے تمہارا نبی تھا تو بن سکتے ہو۔ اِس میں کوئی مشکل امر نہیں مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ ہم ابراہیمی طریقہ پر تم کو چلا رہے ہیں جس میں سہولت اور نرمی تھی اور خدا تعالیٰ تمہیں ہر قسم کے گناہوں اور عیوب سے پاک کرنا چاہتا ہے مگر سختی کرنا نہیں چاہتا۔ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا وہ کیا طریق تھا۔ وہ طریق یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں میں بھی اور اِس اُمت میں بھی تمہارا نام مُسلم رکھا ہے یعنی وہ جو اپنے آپ کو کامل طور پر خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اِس طرح نبی کا نمونہ اختیار کرتے ہوئے خود بھی نمونہ بن جائے۔ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ اور ہم نے

یہ اس لئے کیا تا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے نمونہ کے طور پر ہوں وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اختیار کر کے باقی سب دنیا کیلئے اپنے اپنے دائرہ میں نمونہ بن جاؤ۔

نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی

فرماتا ہے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے اور تم باقی سب دنیا کیلئے نمونہ بن جاؤ تو فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تم کو چاہئے کہ عبادت کر کے اپنے آپ کو اس قابل بنالو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خاص طور پر اپنی برکات سے حصہ دے اور تم پر اپنے قُرب کے انوار نازل کرے۔

یہ امر مُسلّمہ ہے کہ دو چیزیں جو ایک دوسرے کے قریب ہوں وہ ایک دوسرے کی صفات اور اس کے خواص کو اخذ کر لیتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑ لیتا ہے۔ اِسی طرح پُرانے زمانہ میں لوگ کہا کرتے تھے گو ہم نے اس کا تجربہ نہیں کیا کہ شہد اور ایلوہ[6] کو پاس پاس رکھیں تو شہد میں کڑواہٹ کا اثر آجاتا ہے۔ علم الحیوانات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ پرندے جس قسم کے درختوں میں رہتے ہیں ویسا ہی رنگ اُن کے جسم اختیار کر لیتے ہیں۔ پھولوں میں رہنے والی تیتریاں[7] پھولوں کی مناسبت سے اُن جیسا رنگ اختیار کر لیتی ہیں۔ سبز پتوں میں بیٹھنے والے طوطے سبز رنگ کے بن جاتے ہیں۔ اِسی طرح جس قسم کے درخت کے پتے ہوں ویسی ہی سبزی یا نیلاہٹ پرندوں کے پروں میں آجاتی ہے۔ دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں دریا کی مناسبت اور ریت کی چمک کی وجہ سے سفید رنگ کی ہوتی ہیں۔ غرض یہ ایک ثابت شُدہ حقیقت ہے کہ جس قسم کے ماحول میں کوئی چیز رہتی ہے اُس کے نقش کو قبول کر لیتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تم نے اللہ کا نقش قبول کرنا ہے تو فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تمہارا کام یہ ہے کہ تم نمازیں قائم کرو۔ احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز خدا اور بندے کے درمیان ملاقات کا ایک ذریعہ ہوتی ہے[8] پس اِس کے ذریعہ وہ الوہیت کا رنگ جو نبی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے تم پر خوب چڑھ جائے گا اور تم بھی اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاؤ گے۔

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ پھر اس کے ساتھ ہی ہم تمہیں یہ بھی حکم دیتے ہیں کہ جہاں ایک طرف

تم لوگوں کو خدا تعالیٰ کے قُرب کے مواقع بہم پہنچاؤ خود بھی نمازیں پڑھو اور دوسروں کو بھی نمازیں پڑھاؤ تا کہ تم پر خدا اور اُس کے رسول کا رنگ چڑھے وہاں **اٰتُوا الزَّکٰوۃَ** اِس امر کو بھی مدنظر رکھو کہ اللہ تعالیٰ اُسی کو اپنا بنا تا ہے جو اُس کی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔

مخلوق کی خدمت سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول

دنیا میں بہترین ذریعہ کسی کی محبت حاصل کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ اُس کے کسی عزیز سے محبت کی جائے۔ ریلوے سفر میں روزانہ یہ نظارہ نظر آتا ہے پاس بیٹھے ہوئے دوست کے بچہ کو ذرا پچکار دیں یا اُسے کھانے کیلئے کوئی چیز دے دیں تو تھوڑی دیر کے بعد ہی اس کا باپ اس سے محبت سے باتیں کرنے لگ جاتا ہے کہ گویا وہ اس کا بہت پرانا دوست ہے۔ تو فرماتا ہے **اٰتُوا الزَّکٰوۃَ** اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اُس کا پائیدار ذریعہ یہ ہے کہ اُس کے بندوں کی خدمت کرو اور انہیں آرام پہنچانے کے لئے حتّی المقدور اپنے تمام ذرائع عمل میں لاؤ۔ جب تم ایسا کرو گے تو خدا کہے گا کہ چونکہ یہ میرے پیاروں کی خدمت کرتا ہے اس لئے اِسے بھی میرے پیاروں میں داخل کر لیا جائے۔ اِس کی تشریح بعض احادیث سے اس طرح معلوم ہوتی ہے (گو انجیل میں بھی اِس کا ذکر آتا ہے) کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے کہے گا کہ دیکھو! مَیں بیمار تھا مگر تم لوگ میری عیادت کیلئے نہ آئے۔ تب بندے کہیں گے اے ہمارے رب! تو کس طرح بیمار ہوسکتا تھا تو تو ہر قسم کے نقائص سے منزہ ہے۔ تیرا کام تو لوگوں کی بیماریوں کو دُور کرنا ہے تو خود کس طرح بیمار ہو سکتا تھا؟ اِس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب میرے بندوں میں سے بعض لوگ بیمار تھے اور تم اُن کی عیادت کے لئے نہ گئے تو گویا میں ہی بیمار تھا مگر تم نے میری عیادت نہ کی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں سے فرمائے گا کہ ایک دن میں سخت بھوکا تھا مگر تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ وہی بندے پھر عرض کریں گے کہ اے خدا! تو تو بھوک اور پیاس سے پاک ہے یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ تجھے بھوک لگتی اور تو پیاس سے تکلیف اُٹھاتا۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں میرے بعض بندے ایسے تھے جو بھوکے اور پیاسے تھے جب تم نے اُن میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ بندے کی بھوک اور پیاس کو دور کرنے کی بھی کوشش نہ کی تو گویا میری بھوک اور میری پیاس کو ہی دور کرنے کی

کوشش نہ کی۔ پھر خدا تعالیٰ اُن سے کہے گا دیکھو! مَیں ایک دن ننگا تھا مگر تم نے مجھے کپڑا نہ دیا۔ تب بندے کہیں گے اے خدا! یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ تُو ننگا ہو۔ تُو تو خود سب لوگوں کو لباس عطا فرماتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندوں میں سے بعض لوگ ننگے پھرتے تھے مگر تم نے اُن کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اگر تم ایک ادنیٰ سے ادنیٰ بندے کا ننگ ڈھانکنے کی طاقت رکھتے تھے مگر تم نے اس کا ننگ نہ ڈھانکا تو گویا مَیں ہی ننگا تھا مگر تم نے مجھے کپڑا نہ دیا[۹] اِس حدیث سے **اٰتُوا الزَّكٰوةَ** کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی میرے پیاروں سے پیار کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو میرا رنگ تم پر چڑھ جائے گا اور تم بھی میری صفات اپنے اندر جذب کرسکو گے۔

کوشش کرو کہ تم میں اور تمہارے خدا میں کوئی مغائرت باقی نہ رہے

پھر فرماتا ہے۔ **وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ** یہ دو گُر ہم نے تم کو رُوحانی ترقی کے بتائے ہیں اِن کو اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کو اِس طرح چمٹ جاؤ جس طرح بچہ اپنی ماں کو چمٹ جاتا ہے تا کہ خدا تمہارے آگے بھی ہو اور پیچھے بھی ہو۔ تمہارے دائیں بھی ہو اور تمہارے بائیں بھی ہو تا کہ جب کوئی شخص تم پر حملہ کرے تو اُس کے حملے کا وار تم پر نہ پڑے بلکہ خدا پر پڑے۔ عصمت کے معنی ہوتے ہیں محفوظ ہو جانا اور اعتصام کے معنی ہوتے ہیں کسی کے ذریعہ سے محفوظ ہو جانا۔ پس **وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ** کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو ہر قسم کے حملوں سے بچاؤ اس طرح کہ تم میں اور تمہارے دشمن میں خدا حائل ہو جائے اور جب وہ تم پر حملہ کرنے لگے تو یہ نہ سمجھا جائے کہ اُس نے تم پر حملہ کیا ہے بلکہ یہ سمجھا جائے کہ اُس نے خدا پر حملہ کیا ہے۔

گزشتہ عالمگیر جنگ میں ایک شخص نے غلطی سے لفافہ پر اُلٹا ٹکٹ لگا دیا تھا۔ اس پر مقدمہ چلا اور مجسٹریٹ نے اُسے یہ کہتے ہوئے سزا دی کہ اِس نے بادشاہ کی ہتک کی ہے حالانکہ بظاہر اُس نے بادشاہ کی ہتک نہیں کی تھی صرف ٹکٹ اُلٹا لگا دیا تھا۔ تو فرماتا ہے **وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ** تم خدا تعالیٰ کے اِس طرح ہم شکل بن جاؤ کہ جب تم پر کوئی شخص حملہ کرے تو خدا تعالیٰ یہ سمجھے کہ وہ حملہ مجھ پر کیا گیا ہے اور وہ تمہیں بچانے کیلئے خود آگے آ جائے۔ غرض اِس آیت میں اللہ تعالیٰ

نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کی اقتداء کرتے کرتے ایسے بن جاؤ کہ خدا تمہارے دلوں میں اُتر پڑے۔ تمہارے ہاتھ اُس کے ہاتھ، تمہارے پاؤں اُس کے پاؤں اور تمہاری زبان اُس کی زبان بن جائے۔ تم اپنے نفس سے کھوئے جاؤ اور خدا کے ہاتھ کا ایک ہتھیار بن جاؤ تا کہ تم میں اور تمہارے خدا میں کوئی دُوئی اور مغائرت باقی نہ رہے۔

مَوْلٰىكُمْ وہ تمہارا مولیٰ ہے۔ جب تم اُس کے مشابہہ ہو جاؤ گے تو وہ تمہارا محافظ اور نگران ہو جائے گا اور پھر وہ تم سے ایسی محبت کرے گا اور تمہاری ترقی کے لئے ایسے ایسے راستے کھولے گا کہ تم اُس کے ظِل کہلانے لگ جاؤ گے، اُس کی شکل کہلانے لگ جاؤ گے۔ **فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ** ۔ اَب تم بتاؤ کہ ایسا آقا تمہیں اور کون ملے گا جو غلام سے اِتنی محبت کرے کہ اُسے آخر اپنے جیسا بنالے۔

مسلمانوں کو ہدایت کہ وہ تمام انبیاءؑ کے نمونہ پر چلیں

پھر قرآن کریم میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ انہیں اُن سب نمونوں کی اتباع کرنی چاہئے جو پہلے گذر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَ زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ - وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ - وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ - ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ - اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى

اللّٰہُ فَبِھُدٰىھُمُ اقْتَدِہْ، قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا، اِنْ ھُوَاِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۔[۱۰] اللہ تعالیٰ اِن آیات میں فرماتا ہے کہ ہمارے بہت سے انبیاء گزرے ہیں جن کی بڑی شان تھی۔ اُن انبیاء میں نوحؑ بھی تھے، ابراہیمؑ بھی تھے، اسحاقؑ بھی تھے، یعقوبؑ بھی تھے، داؤدؑ بھی تھے، سلیمانؑ بھی تھے، ایوبؑ بھی تھے، یوسفؑ بھی تھے، موسیٰؑ بھی تھے، ہارونؑ بھی تھے۔ اِسی طرح زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسماعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ اور لُوطؑ وغیرہ سب ہمارے مقربین میں شامل تھے یہ اور اِن کے آباء اور اِن کی نسلوں اور رشتہ داروں میں سے بہت سے لوگ تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے قرب کیلئے چُن لیا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ اور اے مسلمان! یہ سارے کے سارے وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ فَبِھُدٰىھُمُ اقْتَدِہْ، پس اب ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ تُو اِن ساروں کی ہدایت کے پیچھے چل۔

اِن آیات سے ظاہر ہے کہ ایک سچے مسلمان کو خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ تمام انبیاء کی ہدایتوں کے پیچھے چلے اور سب انبیاء کے نمونہ کو اپنے سامنے رکھے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے نہ تو تمام گزشتہ انبیاء کی تصویریں موجود ہیں جن کو دیکھ کر ہم اپنی تصویریں اُن کے مطابق بنا سکیں اور نہ اُن کی تعلیمیں اپنی اصل صورت میں موجود ہیں، نہ وہ اخلاقی احکام موجود ہیں جو انہوں نے دیئے، نہ اُن کے نمونے اِس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے پائے جاتے ہیں اور ایک ایسی دِقّت ہے جس کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آتا کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ گزشتہ تمام انبیاء کی ہدایتوں اور اُن کے نمونوں کی اتباع کی جائے اور دوسری طرف ہمارے سامنے اُن میں سے کسی نبی کا مکمل نمونہ موجود نہیں کسی نبی کی مکمل تعلیم موجود نہیں۔ پس ہم اُن کی اقتداء کریں تو کِس طرح کریں؟ اِس سوال کا جواب انہی آیات کے آگے چل کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَھَا[۱۱] چونکہ انسانی فطرت میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ گزشتہ انبیاء کی جو تعلیمیں تھیں اور جن تعلیموں کے مطابق اللہ تعالیٰ لوگوں سے نمونہ طلب کرتا ہے وہ تو اب موجود نہیں ہیں پھر اس کا کیا علاج ہو۔ اِس لئے فرماتا ہے اِس کا علاج آسان ہے۔ ھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ یہ وہ کتاب ہے جس میں سب علوم جمع کر دیئے گئے ہیں۔

مُبٰرَكٌ کا لفظ برکۃ سے نکلا ہے اور بِرکۃ عربی زبان میں نیچی جگہ کو کہتے ہیں جہاں بارش کے بعد اِردگرد کا پانی بہہ کر جمع ہو جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ کتاب ایک تالاب کے طور پر ہے۔ چنانچہ جس قدر گزشتہ نبیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی بارشیں ہوئی ہیں وہ سب بہہ کر اِس تالاب میں جمع ہو گئی ہیں۔ پس اَب تمہیں الگ الگ کسی پہلی الہامی کتاب پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ الگ الگ پہلے انبیاء کے نمونہ کو دیکھنے کی احتیاج ہے۔ تم ہمارے اِس قرآن کو دیکھ لو جو کچھ ہم نے پہلے انبیاء کو دیا وہ سب کچھ اِس میں موجود ہے۔ اور جو کچھ پہلے انبیاء نے نمونہ دکھایا وہ سب کا سب نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں موجود ہے۔ ہم تم کو کہتے ہیں کہ تم ابراہیمؑ جیسے بنو۔ تم کہہ دو گے کہ ہمیں پتہ نہیں ابراہیمؑ کو کیسا بنایا گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ تمہیں پتہ نہیں ابراہیمؑ کیسا بنایا گیا تھا مگر آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ وہ کیسا بنایا گیا تھا۔ فرماتا ہے ہم نے اُسے جیسا بھی بنایا تھا اُس کا قرآن میں مکمل ذکر موجود ہے۔ ہم تمہیں کہتے ہیں تم نوحؑ جیسے بنو، تم کہہ دو گے ہمیں کیا معلوم کہ نوحؑ کیسا تھا۔ سو آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ ہم نے نوحؑ کو جیسا بنایا تھا اُس کا پورا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ اِسی طرح ہر نبی جو آج تک اِس دنیا میں گزرا ہے اُس کی تعلیم کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور اُس کے اُن اخلاق کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے جو اُس نے دکھائے۔ پس یہ کتاب مبارک ہے۔ یعنی ایک ایسی نشیب زمین کی طرح ہے کہ جو الہام نوحؑ پر ہؤا وہ بھی اِس میں جمع ہے۔ جو الہام موسیٰؑ پر ہؤا وہ بھی اِس میں جمع ہے، جو الہام رام چندرؑ پر ہؤا وہ بھی اِس میں جمع ہے، جو الہام عیسیٰؑ پر ہوا وہ بھی اس میں جمع ہے، جو الہام کرشنؑ پر ہوا وہ بھی اس میں جمع ہے، جو الہام زرتشتؑ پر ہؤا وہ بھی اس میں جمع ہے، جو الہام ایوبؑ پر ہؤا وہ بھی اِس میں جمع ہے اور پھر محمد رسول اللہ ﷺ پر جو نئی وحی نازل ہوئی وہ بھی اِس میں جمع ہے۔ گویا یہ ایک ایسا تالاب ہے جس میں تمام چوٹیوں کا پانی اِردگرد سے آ کر جمع ہو گیا ہے اور یہ کتاب جامع ہے سب نبیوں کے کمالات کی۔ اِس پر چل کر گویا سب نبیوں کی اِتباع ہو گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی عظیم الشان برکات

گزشتہ انبیاء کی تعلیموں کا سوال تو اِس طرح حل کر دیا۔ اَب سوال ہوسکتا تھا کہ ہم اُن انبیاء کا نمونہ کہاں تلاش کریں۔ سو اِس سوال کا حل بھی قرآن کریم نے پیش کر دیا کہ بالکل آسان بات ہے تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرو۔ تمام انبیاء کا نمونہ اِسی میں آ جائے گا جیسا کہ **هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ** والی آیت سے تفصیل کے ساتھ یہ امر بیان کیا جائے جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے اعمال پر جب ہم نگاہ دَوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا عمل وہی کچھ تھا جس کا قرآن کریم میں ذکر آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ رسول کریم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو آپ نے فرمایا۔ تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنَ۔ آپؐ کے اخلاق وہی کچھ تھے جن کا قرآن میں ذکر آتا ہے۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا عمل اور قرآن کریم کی بات ایک ہی تھی۔ جو کچھ قرآن میں لکھا تھا سمجھ لو کہ رسول کریم ﷺ ویسا ہی کیا کرتے تھے اور جو کچھ رسول کریم ﷺ کیا کرتے تھے سمجھ لو کہ اُس کا حکم قرآن کریم میں ضرور موجود ہوگا۔

پس تمام انبیاء کی نقل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دے دی۔ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کر لیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کا انعکاس اپنے آئینۂ قلب میں پیدا کر لیتے ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہؓ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھتے تھے وہی کچھ خود کرنے لگ جاتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہی کام ہمیں کرنے چاہئیں۔ پس اگر ہم بھی اپنے اخلاق کو درست کرنا چاہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کوئی نمونہ اپنے سامنے رکھیں اور وہ نمونہ جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کا ہے۔

اخلاق کے معنی

اخلاق کے معنی کیا ہیں؟ اخلاق درحقیقت صفاتِ الٰہیہ کے اُس ظہور کا نام ہے جو بندے کی طرف سے ہو۔ پس ہم جب اللہ تعالیٰ کی صفات کی

نقل کرتے ہیں تو بااخلاق کہلاتے ہیں۔ گویا ایک ہی چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو تو اُس کی صفت کہلاتی ہے اور بندوں کی طرف سے ظاہر ہو تو خلق کہلاتی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کے اندر تو یہ صفات ازلی ابدی طور پر پائی جاتی ہیں اور ہمارے اندر کسبی طور پر پائی جاتی ہیں۔ بہرحال جب یہ صفات ہمارے اندر آتی ہیں تو اخلاق کہلانے لگ جاتی ہیں اور جب خدا تعالیٰ کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے تو وہ اسماء یا صفات کہلاتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے اخلاق کی درستی کیلئے محمد رسول ﷺ کو ہمارے لئے کامل نمونہ بنایا ہے۔ اگر ہم اپنے اپنے دائرہ میں چھوٹے محمدؐ بن جاتے ہیں تو اِس صورت میں ہم نجات کے مستحق ہوتے ہیں اور اسی صورت میں ہم بااخلاق کہلانے کے بھی مستحق ہوتے ہیں۔ پس دنیا میں کامل انسان بننے کیلئے یا بالفاظِ دیگر نجات یافتہ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ہم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے نقوش اپنے دلوں پر قائم کریں۔

عیسائیت کی ایک بہت بڑی غلطی

یہاں عیسائیت نے ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ عیسائیت کہتی ہے کہ شریعت لعنت ہے حالانکہ شریعت کِس چیز کا نام ہے؟ شریعت نام ہے اِس بات کا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی جو تصویر پیدا کی ہے اُس کی ہم پوری طرح نقل کریں اور احکام کی مثال ایسی ہی ہے جیسے تصویر بنانے والے کو کہا جاتا ہے کہ فلاں جگہ پر یہ رنگ پھیرو اور فلاں جگہ پر وہ رنگ پھیرو تا کہ یہ تصویر فلاں تصویر کے مشابہہ ہو جائے۔ اِسی طرح اخلاق کی وہ تعلیم جو خدا تعالیٰ نے کبھی کسی صورت میں دی اور کبھی کسی صورت میں، ایسی ہی تھی جیسے ڈرائنگ کی کاپیوں میں لڑکوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ یہاں فلاں رنگ پھیرو اور وہاں فلاں رنگ پھیرو۔ پس شریعت اُن ہدایتوں کا نام ہے جن پر عمل کر کے ہم اپنے زمانہ کے نبی کی تصویر کھینچ سکتے ہیں۔ چونکہ نبی کی تصویر وہ ہوتی ہے جو دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اور اس لئے پیش کی جاتی ہے کہ لوگ اُس کی نقل کریں اِس لئے جب ہم شریعت پر عمل کرتے ہیں تو گویا ہم خدا تعالیٰ کی تصویر اپنے آئینۂ قلب پر کھینچ لیتے ہیں۔ اِسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اشارہ فرمایا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۱۳]

یعنی اے محمد رسول اللہ! تُو لوگوں سے کہہ دے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے حُسن کا آئینہ ہوں۔ اگر تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو لازماً تم یہی کوشش کرو گے کہ ہمیں بھی اپنے محبوب کا چہرہ دکھائی دے۔ سو اگر تمہارے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت ہے اور تم چاہتے ہو کہ تم اپنے خدا کو دیکھو تو **فَاتَّبِعُوْنِيْ** میرے پیچھے چلے آؤ۔ جب تم مجھ کو دیکھو گے تو چونکہ مَیں خدا تعالیٰ کو دیکھ چکا ہوں اور اُس کی تصویر اُتار چکا ہوں اِس لئے نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے پیچھے چلتے چلتے ایک دن تم بھی آئینہ بن جاؤ گے جس میں خدائی تصویر آ جائے گی اور تم بھی خدا تعالیٰ کے محبوب اور پیارے بن جاؤ گے کیونکہ اُس کی شکل تم میں نظر آنے لگے گی اور خدا تعالیٰ نے یہی طریق رکھا ہؤا ہے کہ جو اُسے دیکھ لے اور اُس کی تصویر اپنے دل پر کھینچ لے وہ اُس کا پیارا بن جاتا ہے۔

قربِ الٰہی کے مختلف مدارج

اِسی کی طرف قرآن کریم کی اِس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا** [۱۴] فرماتا ہے جو کوئی اللہ اور اُس کے اِس رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے منعم علیہ گروہ یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صلحاء میں سے کسی ایک میں شامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع کے کئی درجے ہیں۔ کبھی کوئی شخص سب سے چھوٹا درجہ حاصل کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صالح کہلانے لگ جاتا ہے کبھی کوئی اِس سے بھی واضح تصویر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے دل پر کھینچ لیتا ہے اور وہ شہید کہلانے لگ جاتا ہے۔ کبھی کوئی شہید سے بھی زیادہ واضح اور روشن تصویر اپنے آئینہ قلب پر کھینچ لیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور صدیق بن جاتا ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اُس سے بھی آگے ترقی کر جاتا اور وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں نبوت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی اُس سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اور وہ سورۃ جمعہ کی آیت **وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** [۱۵] کے مطابق سارے نبیوں کی تصویریں اپنے اندر لے لیتا اور ظِلّی محمد کہلانے لگ جاتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر جب محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر میں سے کوئی شخص صرف عیسوی تصویر اُتار لے تو وہ عیسیٰ بن جاتا ہے، جب ابراہیمی تصویر اُتار لے تو ابراہیم بن جاتا ہے اور جب سارے انبیاء کے نقوش اور اُن کی تصویریں اپنے دل پر اُتار لیتا ہے تو وہ ظِلِّ محمدؐ بن جاتا ہے اِسی لئے اُمّتِ محمدیہ میں صرف وہی شخص نبی بن سکتا ہے جو ظِلِّ محمدؐ ہو خالی موسیٰؑ کا ظِل بننے یا خالی عیسیٰؑ کا ظِل بننے سے کوئی شخص نبی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ خاص خاص اقوام کی طرف مبعوث ہوئے۔ پس جو شخص انبیائے سابقین میں سے کسی ایک نبی کی تصویر اُتارتا اور اُس کے نقوش اپنے اندر پیدا کرتا ہے وہ بیشک عیسیٰ ثانی بن سکتا ہے، موسیٰ ثانی بن سکتا ہے مگر وہ اُمّتِ محمدیہ میں نبی نہیں بن سکتا۔ وہ ایسا ہی ہوگا جیسے حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ نے کہا کہ

ومبدم رُوح القدس اندر معینے دمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم[16]

یعنی جبرئیل لحظہ بہ لحظہ معین الدین کے اندر آ کر اپنی روح پھونکتا ہے اس لئے میں تو نہیں کہتا مگر حقیقت یہی ہے کہ میں عیسیٰ ثانی ہو گیا ہوں۔

نبوت کیلئے ظِلِ محمدؐ بننا ضروری ہے

پس بے شک کوئی عیسیٰ ثانی بن جائے اِس میں کوئی حرج نہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عیسیٰ ثانی ہونے سے انسان نبی نہیں بن سکتا۔ اِس زمانہ میں انسان نبی تبھی بنتا ہے جب وہ ظِلِّ محمدؐ ہو جاتا ہے۔ اِسی کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہر زمانے قتیلِ تازہ بخواست
غازۂ روئے او دمِ شہدا ست

ایں سعادت چو بود قسمتِ ما
رفتہ رفتہ رسید نوبتِ مَا

کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم
آدمم نیز احمدِ مختار
در برم جامۂ ہمہ ابرار
آنچہ داد است ہر نبی راجام
داد آں جام را مرا بتمام[۱۷]

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کے لئے اپنا ایک شہید پیدا کیا کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی شان دنیا میں انہی شہیدوں کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے اور اُس کے چہرے کا حُسن انہی شہیدوں کے ذریعے نکھرا کرتا ہے۔ چونکہ میرے حصہ میں بھی یہ سعادت مقدر کی جا چکی تھی اِس لئے آہستہ آہستہ میری نوبت بھی آ گئی اور چونکہ خدا تعالیٰ کے رستہ میں میرا قتیل ہونا ضروری تھا اور یہ قرار دیا جاچکا تھا کہ مَیں اُس کے عشق میں مارا جاؤں اِس لئے

کربلائیست سیر ہر آنم

مَیں نے کربلا کی سیر کی اور ہر گھڑی سیر کی۔ دشمن، صداقت کا دشمن، راستی اور نُور کا دشمن مجھ پر بھی آج تیر برسا رہا ہے۔ مگر تیر کچھ ایسی بیدردی کے ساتھ برسا رہا ہے کہ گویا اُس کے سامنے ایک حسینؓ نہیں سو حسینؓ کھڑا ہے۔

''آدمم نیز احمدؐ مختار''

مَیں سارے نبیوں کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہوں آدمؑ سے لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی ایسا نہیں جس کے کمالات مجھ میں پائے نہ جاتے ہوں۔

''دربرم جامۂ ہمہ ابرار''

ہر نبی اور ہر ولی کا کُرتہ مجھے پہنایا گیا ہے۔

آنچہ دادست ہر نبی راجام
داد آں جام را مرا بتمام

خدا تعالیٰ نے ہر نبی کو معرفت کا جو پیالہ پلایا اُن میں سے ہر ایک پیالہ مجھے بھی پلایا گیا ہے اور خوب بھر بھر کر پلایا گیا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی پہلے نبی کو جو جام پلایا گیا ہو وہ چھوٹا ہو مگر مجھے وہی جام دیا گیا تو وہ خوب بھرا ہوا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ کر انسان کو اِس زمانہ میں ظِلّی نبوت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی وہ ظِلّ محمدؐ بن جائے تب نبی بنتا ہے۔ ظِلّ موسیٰ یا ظِلِّ عیسیٰؑ بننے سے نبوت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

غرض تمام زمانوں میں نیکی اور اخلاقِ کامل کے معیار اُن زمانوں کے وہ انبیاء تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ نبی خدا کا نمونہ ہوتا ہے پس جو شخص نبی کا نمونہ بن جائے وہ نیک سمجھا جاتا ہے اور جو نبی کا نمونہ نہیں ہوتا اُسے نیک نہیں سمجھا جاتا۔ اِس زمانہ میں اگر کوئی نیکی کا راستہ ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر اپنے دل و دماغ پر کھینچنے میں۔ پس اِس زمانہ میں جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کا نمونہ بن جائے اور آپ کی تصویر اپنے دل پر کھینچ لے وہی شخص مومن یا نجات یافتہ یا با اخلاق سمجھا جا سکتا ہے۔ اِس تمہید کے بعد اَب مَیں محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق میں سے کچھ باتیں بیان کرتا ہوں تا ہر شخص جو اپنے دل پر جمالِ الٰہی کا نقش کرنا چاہے وہ اِس سے فائدہ اُٹھا سکے۔

درحقیقت ایک مسلمان کے لئے یہ وہم کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ رسول کریم ﷺ کے نمونہ کو اپنے سامنے رکھے بغیر وہ کوئی روحانی مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا خیال کرتا ہے تو وہ اوّل درجہ کی حماقت کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم کوئی کمال حاصل نہیں کر سکتے جب تک محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر ہمارے سامنے نہ ہو اور اُس تصویر کو ہم اپنے دل پر نہ کھینچ لیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم بار بار اپنی بنائی ہوئی تصویر کو محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر کے ساتھ ملائیں اور دیکھیں کہ وہ اصل کے مطابق ہے یا نہیں۔ کوئی زائد لکیر ہو تو اُسے مٹا دیں، کوئی پھیکا رنگ ہو تو اُسے تیز کر دیں، کوئی زیادہ تیز رنگ ہو تو اُسے ہلکا کر دیں، پھر بار بار اُسے اصل کے ساتھ ملائیں اور دیکھیں کہ وہ دونوں تصویریں آپس میں کس حد تک مشابہہ ہو گئی ہیں۔ غرض ہماری زندگی کی تمام جدوجہد، تمام کوشش اور تمام سعی صرف اِس کام کے لئے ہو کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر اپنے قُلوب پر کھینچ لیں۔ پس ہمیں ہر وقت محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر کو دیکھتے

رہنا چاہئے۔ اگر ہماری تصویر اُس کے مطابق ہو تو پھر بے شک ہم خوش ہو سکتے ہیں اور خیال کر سکتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے۔ لیکن اگر ہماری تصویر اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر میں کوئی مشابہت ہی نہ ہو تو پھر رسول کریم ﷺ کی شفاعت کی اُمید رکھنا صریح غلطی اور نادانی ہے۔

مسلمانوں میں شفاعت کی غلط تشریح

میرے نزدیک یہ بالکل غلط خیال ہے جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے کہ

مستحقِ شفاعت گنہگار اند

رسول کریم ﷺ کی شفاعت کے گنہگار مستحق نہیں ہوں گے بلکہ آپؐ کی شفاعت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کا کچھ نقش اپنے اندر لے لیا اور وہ نقش ایسا ہؤا کہ قیامت کے دن رسول کریم ﷺ اُسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے کہہ سکیں کہ اے میرے خدا! یہ بھی مجھ سے ملتے جُلتے ہیں مَیں اِن کی شفاعت کرتا ہوں ورنہ یہ تو سراسر ظلم ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کسی رنگ میں بھی مشابہت نہ رکھتا ہو اور وہ کہے کہ یہ مجھ سے ملتا جلتا ہے۔ یہ مان لیا کہ ایک شخص دوسرے سے اپنے تمام خدوخال میں مشابہت نہ رکھتا ہو مگر یہ تو ہوسکتا ہے کہ اُس کی آنکھیں دوسرے کی آنکھوں سے مِلتی جُلتی ہوں یا اُس کے ہاتھ دوسرے کے ہاتھ سے مِلتے جُلتے ہوں یا اُس کی آواز دوسرے کی آواز سے مِلتی جُلتی ہو لیکن ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص میں مشابہت کی کوئی بات بھی نہ پائی جاتی ہو اور اُس کے متعلق یونہی کہہ دیا جائے کہ وہ فلاں سے ملتا جلتا ہے۔ یہ تو ویسی ہی بات ہوگی جیسے بچپن میں میرے ایک عزیز کو مجھ سے کچھ رقابت تھی مَیں اُن کا نام نہیں لیتا اُن کی ہمیشہ یہ عادت تھی کہ مَیں جو بات بھی کہتا وہ ضرور اُس کے خلاف کہتے خواہ وہ کس قدر ہی معقول کیوں نہ ہوتی۔ اور میرے ایک اور عزیز تھے اُن کی یہ عادت تھی کہ جب وہ میرے خلاف کہتے وہ ہمیشہ اُس کی تصدیق کیا کرتے اور کہتے کہ ہاں یہ بالکل درست ہے اُس وقت ہم مدرسہ میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن میرے وہی عزیز آئے اور کہنے لگے مَیں تو روس کا جب بھی نقشہ دیکھتا ہوں مجھے خواجہ جمال الدین صاحب انسپکٹر جموں یاد آ جاتے ہیں جو خواجہ کمال الدین صاحب کے بھائی تھے کیونکہ مجھے وہ بالکل خواجہ جمال الدین صاحب

جیسا معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے کہا آخر اس کا کیا مطلب ہے کیا آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے خواجہ جمال الدین صاحب موٹے ہیں اِسی طرح آپ کو روس کا بڑا سا نقشہ دکھائی دیتا ہے کہنے لگے یہ تو نہیں مگر جب بھی مَیں روس کا نقشہ دیکھتا ہوں مجھے بالکل یوں معلوم ہوتا ہے جیسے خواجہ جمال الدین صاحب کھڑے ہیں۔ مَیں نے کہا تو کیا اُن کے سر سے نقشہ کا کوئی حصہ ملتا ہے؟ کہنے لگے یہ تو نہیں۔ مَیں نے کہا تو کیا اُن کے پاؤں سے نقشہ کا کوئی حصہ ملتا جُلتا ہے؟ کہنے لگے یہ بھی نہیں۔ صرف یہ ہے کہ جب مَیں نقشہ دیکھتا ہوں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے خواجہ جمال الدین صاحب کھڑے ہیں۔ مَیں نے کہا اگر وہ آپ کو مشابہہ معلوم ہوتے ہیں تو مشابہت کی کوئی بات تو بتائیں۔ مثلاً اٹلی کا نقشہ ہے اُس کے نیچے کی جگہ بُوٹ کے مشابہہ معلوم ہوتی ہے۔ اِسی طرح آپ کو بتانا چاہئے کہ نقشہ میں وہ کونسی بات ہے جو آپ کو خواجہ جمال الدین صاحب کے مشابہہ نظر آتی ہے۔ آیا اُن کے سر سے کوئی حصہ ملتا ہے یا وہ چوڑا ایسا ہے جیسے خواجہ صاحب چوڑے چکلے ہیں یا اُن کے پیروں سے کوئی حصہ ملتا ہے۔ کہنے لگے اِن میں سے تو کوئی بات نہیں مگر مَیں جب دیکھتا ہوں مجھے یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اِتنے میں میرے دوسرے عزیز آ گئے اور مَیں نے سمجھا کہ آج تو یہ ضرور میری بات کی تائید کریں گے۔ چنانچہ مَیں نے کہا ابھی یہ ذکر کر رہے تھے کہ روس کا نقشہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے خواجہ جمال الدین صاحب کی شکل ہے اور مَیں نے اِن سے بار بار پوچھا ہے کہ آپ بتائیں آپ کو دونوں میں کِس چیز کی مشابہت نظر آتی ہے مگر وہ بتا نہیں سکتے اور یہی کہتے جاتے ہیں کہ وہ نقشہ خواجہ صاحب کی شکل سے ملتا ہے۔ مَیں نے اِس بات کا اُن سے ذکر کیا اور اپنے دل میں یہ سمجھا کہ آج تو یہ ضرور میری تائید کریں گے مگر وہ جھٹ کہنے لگے مجھے بھی یہ نقشہ بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے خواجہ جمال الدین صاحب کھڑے ہوں۔

تو ایسی مشابہت پر شفاعت کی اُمید رکھنا بالکل لغو بات ہے آخر کچھ نہ کچھ محمدیت سے مشابہت تو ضروری ہے ورنہ رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے کِس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی مجھ سے ملتا جلتا ہے، اِسے بھی جنت میں داخل کر دیجئے۔

نجات اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کا نام ہے

درحقیقت نجات نام ہی ہے اُن اعلیٰ صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کا جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ یہ ایک غلط خیال ہے جو لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے کہ دوزخ سے بچ جانا یا جنت کا مِل جانا نجات ہے۔ جنت کا ملنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے کسی دوست سے ملنے کیلئے جاتا ہے تو وہ اُس کے آگے کھانا رکھ دیتا ہے۔ اَب کوئی کمینہ ہی ہوگا جو اپنے دوست سے ملنے کیلئے جائے اور پھر کہے کہ مجھے کھانا بھی کھلاؤ۔ کھانا وہ اپنی مرضی سے کھلاتا ہے ورنہ اِس کا اصل مقصد اپنے دوست سے ملنا اور اُس سے باتیں کرنا ہوتا ہے۔ اِسی طرح جنت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کو جو انعامات ملیں گے وہ ایک زائد چیز ہیں اور ایسے ہی ہیں جیسے دوست دوست سے ملنے کے لئے جاتا ہے تو وہ اُس کے سامنے اچھے سے اچھا کھانا بھی رکھ دیتا ہے ورنہ نجات اصل میں جنت میں داخل ہونے کا نام نہیں بلکہ اُن صفات کا انسان کے اندر پیدا ہو جانا نجات ہے جو خدا تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ جب ہم سِفلی اثرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں تو ہمیں اِسی دنیا میں جنت مِل جاتی ہے۔ اِسی کی طرف قرآن کریم کی اِس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ **وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا** [۱۸] جو شخص اِس دنیا میں اندھا ہوگا وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ یعنی اگر کسی شخص نے صفاتِ الٰہیہ کا انعکاس اپنے آئینۂ قلب میں پیدا نہیں کیا اور اس سِفلی زندگی کا وہ شکار ہو چکا ہے تو اگلے جہان میں بھی اُسے کوئی نُور نہیں ملے گا اور وہ اپنے آپ کو عذاب میں محسوس کرے گا کیونکہ اُس وقت حجاب اُٹھ چکا ہوگا اور اُسے علم عطا کر دیا جائے گا اور چونکہ اُس وقت اُسے اپنی نابینائی کا علم ہو جائے گا اِس لئے یہی احساس اُس کے لئے دُکھ اور عذاب کا موجب بن جائے گا۔ جیسے اگر کوئی شخص بیہوش ہو اور بیہوشی کی حالت میں ہی اُس کی آنکھیں ماری جائیں تو اُسے اس کا حساس نہیں ہوتا اور نہ کوئی تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن اگر اُسے ہوش آ جائے تو پھر یہی چیز اِس کے لئے دُکھ اور عذاب کا موجب بن جاتی ہے۔ اِسی طرح ایک شخص دنیا کی زندگی میں روحانی لحاظ سے اندھا ہوتا ہے مگر وہ سمجھتا نہیں کہ وہ اندھا ہے۔ ایک مدہوشی کی سی حالت اُس پر طاری رہتی ہے۔ لیکن

جب مرنے کے بعد حجاب اُٹھ جائے گا اور اُسے پتہ لگے گا کہ مَیں روحانی لحاظ سے اندھا ہوں، تب وہ اپنے دل میں ایک شدید دُکھ محسوس کرے گا اور اِسی کا نام دوزخ ہے۔ بیشک دوزخ کے عذاب کی مختلف شکلیں بھی ہوں گی لیکن اصل دوزخ اُس کے دل کا یہی احساس ہوگا کہ مَیں خدا تعالیٰ سے دُور ہوں اور میرے اندر وہ اعلیٰ صفات نہیں ہیں جن سے میری خدا تعالیٰ سے مشابہت ہو سکے تب اُسے عذاب شروع ہو جائے گا اور رات اور دن وہ اِس عذاب میں مبتلا رہے گا۔

آخرت میں آگ کے عذاب سے بھی سخت تر عذاب خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے

مَیں مانتا ہوں کہ وہاں آگ کا عذاب بھی ہوگا لیکن پھر بھی اُس آگ کے عذاب سے بھی سخت تر عذاب یہ ہوگا کہ اُسے اِس بات کا احساس ہوگا کہ میرا خدا مجھ سے ناراض ہے۔ ہم نے دنیا میں بارہا یہ نظارہ دیکھا ہے کہ بعض دفعہ بچہ روٹھ جاتا ہے، بعض دفعہ بیوی سے ناراضگی ہو جاتی ہے، بعض دفعہ دوست سے کسی بات پر شکایت پیدا ہو جاتی ہے ایسی صورت میں ہر شخص جانتا ہے کہ یہ تکلیف کتنی شدید ہوتی ہے اور کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ یہ عذاب آگ کے عذاب سے کم ہوتا ہے۔ ہم نے تو دیکھا ہے یہ عذاب بعض دفعہ اتنا محسوس ہوتا ہے کہ ہزاروں دُکھوں سے بڑھ کر اِس کی تپش انسان کو جلا رہی ہوتی ہے اور جب تک ہمارا محبوب ہم سے راضی نہیں ہو جاتا اگر ہم روٹی کھاتے ہیں تو وہ ہمارے حلق سے نیچے نہیں اُترتی، پانی پیتے ہیں تو اُچّھو ہونے لگتا ہے، سوتے ہیں تو نیند نہیں آتی، سوچتے ہیں تو پاگلوں کی طرح ہماری سمجھ میں کوئی بات ہی نہیں آتی، دل جو ہماری طاقت کا موجب ہوتا ہے وہ دھڑ دھڑ کر رہا ہوتا ہے، پیر جن سے ہم چلتے ہیں وہ کانپ رہے ہوتے ہیں، ہاتھ جن میں پکڑنے کی طاقت ہوتی ہے وہ شَل ہو کر رہ جاتے ہیں، آنکھیں جن سے ہم ساری دنیا کا حُسن دیکھتے ہیں انہی آنکھوں سے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں ساری چیزیں پھیکی پھیکی نظر آتی ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں چاروں طرف اُداسی چھائی ہوئی ہے۔ دنیا میں ہر شخص کو کسی نہ کسی سے خاص اُنس ہوتا ہے۔ کسی کو بیوی سے ہوتا ہے، کسی کو ماں سے ہوتا ہے، کسی کو باپ سے ہوتا ہے اور ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ میں یہ تمام کیفیتیں اُس وقت معلوم ہو جاتی ہیں جب اُس کا محبوب اُس سے

ناراض ہو جائے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ۔ اِس دنیا میں جس کے اندر وہ نورِ نظر پیدا نہ ہوا جس سے وہ اپنے خدا کو شناخت کر سکے، اگلے جہان میں بھی وہ اندھا ہی اُٹھے گا۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ اِس جہان میں اُسے احساس نہ تھا کہ وہ اندھا ہے مگر اگلے جہان میں حجاب اُٹھ جائے گا، تب اُس کے دل میں دُکھ اور درد پیدا ہوگا اور یہ دُکھ اور درد بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ اُس کے دل اور اُس کے دماغ اور اُس کے جگر اور اُس کے تمام اعضاء پر حاوی ہو جائے گا۔ اُسے کھانے میں لذت نہیں آئے گی، اُسے پینے میں لذّت نہیں آئے گی، اُسے ہر اچھی چیز بُری معلوم ہوگی اور وہ ہر وقت اپنے آپ کو ایک شدید عذاب میں گھِرا ہوا پائے گا۔ یہ عذاب کئی شکلیں اور کئی طریق بھی اختیار کرے گا مگر وہ سب اِسی ایک عذاب کا نتیجہ ہوں گے۔ اور چونکہ ندامت انسان کے اندر احساسِ بیداری پیدا کرتی اور نیکی کا موجب بنتی ہے۔ اِس لئے احساسِ گناہ اور خواہش اصلاح سے ہی اُس کے اندر ایک نور پیدا ہوگا اور نیکی کا یہ احساس اُسے خود بخود عرفان کی حالت کی طرف منتقل کرتا چلا جائے گا اور آخر ایک دن اِسی نور کے نتیجہ میں اُسے وہ آنکھیں حاصل ہو جائیں گی جن سے وہ اپنے خدا کو دیکھ لے گا اور اِسی کا نام خدا تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونا رکھا ہے کیونکہ جنت وہ مقام ہے جہاں خدا دیکھا جاتا ہے۔ جس کی آنکھیں ہی نہیں اُس نے بھلا وہاں جا کر لینا ہی کیا ہے۔ کِسی چیز کا نظارہ تو آنکھوں والے ہی دیکھ سکتے ہیں۔ گو ہمارے ملک میں بعض ایسے بیوقوف بھی ہیں جو سینما دیکھنے کیلئے چلے جاتے ہیں حالانکہ وہ اندھے ہوتے ہیں لیکن عقلمندوں کا یہ طریق نہیں ہے۔ جہاں کسی چیز کو دیکھنے کا سوال ہوگا وہاں ہمیشہ آنکھوں والے ہی جائیں گے، اندھے نہیں جائیں گے۔ تو جنت وہ مقام ہے جہاں خدا تعالیٰ کی رؤیت ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ - اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ [19] اُس دن بعض لوگ ہشاش بشّاش ہوں گے اور اپنے خدا کی طرف نظر لگائے بیٹھے ہوں گے۔ پس وہ جو اندھا ہے اُسے جنت میں لے جا کر کرنا ہی کیا ہے وہ باہر ہی رہے گا یہاں تک کہ اُس کے دل کی ندامت اور حسرت اور جلن سے اُس کی آنکھوں میں بینائی پیدا ہو جائے گی اور خدا تعالیٰ اُس

کے متعلق کہے گا کہ اَب یہ ہمیں دیکھ سکتا ہے اِسے بھی جنت میں لے آؤ۔

اَب میں یہ بتاتا ہوں کہ اگر ہم اپنے اخلاق کو درست کرنا چاہیں اور اپنی عادات میں ایسی تبدیلی پیدا کرنا چاہئیں کہ ہر قسم کے رذائل ہم سے دُور ہو جائیں تو محمد رسول اللہ ﷺ کے نمونہ سے فائدہ اُٹھا کر ہم کس رنگ میں ترقی کر سکتے ہیں؟

تعلق باللہ کی بنیاد ایمان کامل پر

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ روحانی زندگی میں سب سے اہم چیز تعلق باللہ ہے جس کی بنیاد ایمانِ کامل پر ہوتی ہے اور درحقیقت یہی وہ ایمان ہے جو انسان کی سنجیدگی پر دلالت کیا کرتا ہے۔ پس ہمیں دیکھنا چاہئے کہ رسول کریم ﷺ کے دل میں کس قسم کا ایمان پایا جاتا تھا کیونکہ ویسا ہی ایمان اسلام ہمیں پیدا کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ آجکل لوگ ایمان کا دعوٰی تو بہت کرتے ہیں مگر ایمان کی حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتی ہے۔ ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑے بڑے مخلص لوگ موجود ہیں لیکن پھر بھی کچھ لوگ ایسے نظر آ جاتے ہیں جو ایک وقت ایمان کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن دوسرے وقت مخالفوں کی ہاں میں ہاں ملاتے نظر آتے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے ہماری جان آپ پر قربان ہے، ہمارا مال آپ پر قربان ہے، آپ کی غلامی کے بغیر تو زندگی کا کوئی لُطف ہی نہیں مگر دوسرے وقت وہی شخص اپنی دیکھی ہوئی باتوں پر نہیں محض سُنی سُنائی باتوں پر مرتد ہو جاتا ہے اور کہتا ہے مَیں نے فلاں دوست سے ایسی ایسی بات سُنی ہے۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جس ایمان کا وہ اظہار کیا کرتے تھے وہ کسی بصیرت پر مبنی نہیں تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے سلسلہ کی باتیں سُنی اور بیعت کر لی اور پھر ایک خیالی چیز کا نام انہوں نے ایمان رکھ لیا ورنہ یہ ہو کِس طرح سکتا ہے کہ ایک شخص کے دل میں ایمان راسخ ہو جائے اور پھر وہ ارتداد کے گڑھے میں گر جائے۔

گزشتہ دنوں مَیں نے ایک شخص کو اپنی جماعت سے خارج کیا ہے کیونکہ اُس نے بعض ایسی حرکتیں کی تھیں جو احمدیت کی تعلیم کے خلاف تھیں مگر مجھے یاد ہے ۱۹۲۸ء میں جب ٹربیون میں میری موت کی خبر شائع ہوئی تو یہی شخص اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لیکر میرے ملنے کے لئے قادیان

آیا اور کہنے لگا مَیں تو یہ خبر سُن کر مرنے ہی لگا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ جب وہ قادیان میں آئے تو رات کا وقت تھا مگر وہ میاں بیوی آتے ہی میری سیڑھیوں میں بیٹھ گئے اور دستک پر دستک دینے لگ گئے۔ مَیں نے دروازہ کھولا اور اُن سے ملاقات کی تو وہ کہنے لگے ہم تو یہ خبر سُن کر مرنے ہی لگے تھے بھلا آپ کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔ مگر مجھے تعجب آتا ہے کہ اب وہی مخالفوں میں بیٹھتے ہیں، مخالفانہ باتیں کرتے ہیں اور انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ اِس تغیر کی یہی وجہ ہے کہ پہلے جس چیز کو انہوں نے ایمان سمجھا تھا وہ درحقیقت ایمان تھا ہی نہیں محض ایک خیالی چیز کو انہوں نے ایمان سمجھ لیا تھا۔ ایسے ہی اور بھی لوگ ہوتے ہیں جو پہلے تو ایمان کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن بعد میں مرتد ہو کر گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور فخر الدین صاحب ملتانی کو ہی دیکھ لو کِس قدر اخلاص کے دعوے کیا کرتے تھے لیکن بعد میں جب انہوں نے مخالفت شروع کر دی تو شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری سے جب پوچھا جاتا کہ آپ نے یہ باتیں کہاں سے سُنیں تو وہ کہہ دیتے کہ فخر الدین صاحب سے سُنی ہیں اور فخر الدین سے جب پوچھا جاتا کہ تم ایسا کیوں کہتے ہو؟ تو وہ جواب دیتا کہ مصری صاحب سے پوچھو وہ ایسا کہتے ہیں لیکن اِس سے پہلے یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں سلسلہ پر فدا ہو رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے جلسہ سالانہ کی تقریر سے فارغ ہو کر جب بھی میں واپس جاتا شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کا لڑکا اُن کا یہ پیغام لے کر پہنچ جاتا کہ مجھے اپنی تقریر کے نوٹ دے دیں۔ مَیں اُن کی نقل کر لوں، معلوم نہیں یہ تقریر شائع کب ہو۔ اور یا اَب اُن کی یہ حالت ہے کہ دنیا جہان کے سارے عیوب میری طرف منسوب کر رہے ہیں اور جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تم ایسا کیوں کہتے ہو؟ تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں جو ایسا کہتا ہے ہم کیوں نہ مانیں۔

تو درحقیقت ایمان ہوتا ہی وہ ہے جو عَلٰی وَجْهِ الْبَصِيْرَتْ پیدا ہو۔ بغیر اِس کے ایمانِ کامل پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ جو چیز انسان کی دیکھی ہوئی ہو اُس کے متعلق اُسے کبھی شُبہ نہیں ہوسکتا اور نہ اُسے کوئی تذبذب میں مبتلا کرسکتا ہے۔ مثلاً آپ لوگ اِس وقت یہاں بیٹھے ہیں اور مَیں آپ کے سامنے تقریر کر رہا ہوں اَب اگر کوئی شخص آپ کو میرے متعلق یہ کہے کہ وہ تقریر نہیں کر رہے بلکہ فلاں جگہ سینما دیکھ رہے یا گانا سُن رہے ہیں تو کیا آپ اسے مان لیں گے؟ کبھی نہیں

مانیں گے۔ آپ اُسے کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے تم پاگل ہو گئے ہو کیونکہ وہ تو ہمارے سامنے تقریر کر رہے ہیں۔ تو دیکھی ہوئی بات کے متعلق کوئی شخص شُبہ نہیں کر سکتا۔ شُبہ اُسی چیز کے متعلق کیا جاتا ہے جو بے دیکھی ہو۔

رسول کریم ﷺ کا غیر متزلزل ایمان

اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے اِس غیر متزلزل ایمان کے متعلق جو آپؐ کو عَلٰی وَجْہِ الْبَصِیْرَتْ حاصل تھا قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی۔ وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی۔ [۲۰] اے لوگو! محمد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو دیکھا ہے اور دیکھا بھی خوب اچھی طرح ہے۔ اُس طرح نہیں دیکھا جیسے لوگ بعض دفعہ جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو بینائی کے نقص کی وجہ سے اُس کو صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتے یا دُور سے دیکھ لیتے ہیں۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ فرماتا ہے۔ دیکھنے میں دو نقص ہو جاتے ہیں۔ ایک نقص تو یہ ہوتا ہے کہ انسان کی نظر پوری طرح اُس چیز تک نہیں پہنچتی اور ورے ہی رہ جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص سَو گز تک اچھی طرح دیکھ سکتا ہے لیکن چیز ڈیڑھ سَو گز پر پڑی ہے اَب یہ لازمی بات ہے کہ ایسا شخص ڈیڑھ سَو گز سے اُس چیز کو دیکھے گا تو اپنی بینائی کے اِس نقص کی وجہ سے اُسے صحیح طور پر نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن فرماتا ہے مَا زَاغَ الْبَصَرُ محمد رسول اللہ ﷺ نے جب ہمیں دیکھا تو اُن کی نظر اِدھر اُدھر نہیں چلی گئی بلکہ عین صحیح مقام پر پہنچی۔ زَاغَ کے معنی ہوتے ہیں اِدھر اُدھر ہو جانا یا ورے رہ جانا۔ پس فرماتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے جب ہمیں دیکھا تو اُن کی نظر ایسی نہ تھی کہ وہ ورے رہ جاتی۔ انہوں نے دیکھا اور خوب اچھی طرح دیکھا گویا انہوں نے توجّہ سے بھی دیکھا اور اُن کی نظر بھی صحیح طور پر پہنچی۔ ایسا نہیں ہوا کہ اُن کی نگاہ ورے ہی رہ گئی ہو۔

پھر فرماتا ہے وَ مَا طَغٰی۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی قریب کی نظر کمزور ہوتی ہے، دُور کی نظر اچھی ہوتی ہے اِسی وجہ سے دونوں قسم کی عینکیں ہوتی ہیں۔ جن کی قریب کی نظر کمزور ہوتی ہے اُن کو اور قسم کی عینک لگانی پڑتی ہے اور جن کی دُور کی نظر کمزور ہوتی ہے اُن کو اور قسم کی

عینک لگانی پڑتی ہے۔ مَیں بھی دُور کی چیز کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ لوگ یہاں جلسہ گاہ میں بیٹھے ہیں مگر مجھے اُن کی صرف سفید سفید پگڑیاں نظر آتی ہیں شکلیں صحیح طور پر نظر نہیں آتیں لیکن دوسری طرف اگر مَیں عینک لگا کر اپنے نوٹ پڑھنا چاہوں تو نہیں پڑھ سکتا۔ گویا میری قریب کی نظر اچھی ہے دُور کی نظر اچھی نہیں۔ تو دنیا میں لوگوں کی آنکھوں میں دو قسم کے نقص ہؤا کرتے ہیں۔ بعض لوگ قریب کی چیز کو اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں دُور کی چیز کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے اور بعض لوگ دُور کی چیز کو اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں قریب کی چیز کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **مَا زَاغَ الْبَصَرُ** محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمیں دیکھا اُن کی نظر کا فوکس بالکل اُسی جگہ پر تھا جہاں اُس کو پہنچنا چاہیئے تھا۔ نہ اُس مقام کے لحاظ سے محمد رسول اللہ ﷺ شارٹ سائیٹڈ تھے اور نہ لانگ سائیٹڈ تھے۔ یعنی نہ تو ہم اتنے دُور تھے کہ اُن کی نظر قریب ہی رہ جاتی اور ہم دُور رہتے اور نہ ہم اتنے قریب تھے کہ اُن کی نظر دُور نکل جاتی اور ہم پیچھے رہ جاتے۔ گویا نہ تو محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر ورے رہ گئی اور ہم پَرے رہ گئے کیونکہ آپؐ ایسے نہ تھے کہ آپ صرف قریب کی چیز کو دیکھ سکیں دُور کی چیز کو نہ دیکھ سکیں۔ **وَ مَا طَغٰی** اور نہ ایسا ہؤا کہ ہم درے رہ گئے ہوں اور اُن کی نظر پرے چلی گئی ہو۔ گویا نہ آپ شارٹ سائیٹڈ تھے اور نہ لانگ سائیٹڈ تھے۔ یہ دونوں نقص محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر میں نہ تھے۔

رؤیتِ باری کا کامل نقشہ

دیکھو! یہ کتنا کامل نقشہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رؤیت کا کھینچا گیا ہے کہ **مَا زَاغَ الْبَصَرُ** نہ تو جب محمد رسول اللہ ﷺ نے خدا تعالیٰ کو دیکھا اُس وقت ایسی حالت تھی کہ خدا تعالیٰ بہت دُور تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر اتنی دُور نہ دیکھ سکتی ہو۔ **وَ مَا طَغٰی** اور جب محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیکھا تو یہ بھی نہیں تھا کہ ہم اتنے قریب ہوتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر دُور چلی جاتی۔ ہم وہیں کھڑے تھے جہاں کھڑے ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ ہمیں پوری طرح دیکھ سکتے تھے۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی پھر محمد رسول اللہ ﷺ نے صرف ظاہر کو نہیں دیکھا بلکہ **رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی** اُس نے اپنے ربّ کے بڑے بڑے نشانات کو دیکھا۔ ایک رؤیت ایسی ہوتی ہے جس میں دشمن بھی شریک ہوتا ہے۔ جیسے ایک چور بھی جج کو دیکھتا ہے

اور اُس کے بیوی بچے بھی اُس کو دیکھتے ہیں۔ لیکن فرماتا ہے ہمیں جب محمد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو ہم اُس سے ایک محبت کرنے والے دوست کی طرح ملے اور اُس نے ہمارے بڑے بڑے نشانات دیکھے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى فرماتا ہے یہ تو محمد رسول اللہ ﷺ کا حال ہے۔ اِس کے مقابلہ میں کُفّار و مشرکین جو کہتے ہیں کہ ہم لات کو خدا مانتے ہیں، ہم عزّٰی کو خدا مانتے ہیں، ہم منات کو خدا مانتے ہیں اُن کی حالت بھی دیکھو۔ فرماتا ہے لات، منات اور عزّٰی تو ایسی چیزیں ہیں جو حواسِ خمسہ سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ تم لات، منات اور عزّٰی کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو، ہاتھوں سے چُھو سکتے ہو ان پر جو تیل وغیرہ ملا جاتا ہے اُس کی خوشبو اپنی ناک سے سُونگھ سکتے ہو، اُن بُتوں کو ٹھکور کر اُن کی آوازیں سُن سکتے ہو، اُنہیں زبان لگا کر چکھ سکتے ہو۔ غرض ہر طرح اِن بُتوں کو دیکھا جا سکتا ہے اور تم دعویٰ بھی کرتے ہو کہ ہم نے اپنے اِن خداؤں یعنی لات، منات اور عزّٰی کو خوب دیکھا ہؤا ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے نتیجہ میں تم لات، منات اور عزّٰی کے تو منکر ہو جاتے ہو جن کو تم اپنے پانچوں حواسوں سے دیکھ رہے ہو اور محمد رسول اللہ ﷺ اُس خدا کا وجود لوگوں سے منوا لیتے ہیں جسے نہ آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے، نہ ہاتھوں سے چُھوا جا سکتا ہے، نہ زبان سے چکھا جا سکتا ہے اور نہ اُس کا کلام اِن مادی کانوں سے سُنا جا سکتا ہے۔ گویا پانچوں حواسِ ظاہری سے بتوں کو دیکھنے کے باوجود تم میں طاقت نہیں کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کے ایمان میں خلل ڈال کر دکھا سکو لیکن محمد رسول اللہ ﷺ تمہیں باوجود اِن بتوں کو اپنے تمام ظاہری حواس سے دیکھنے کے شُبہ میں ڈال دیتے ہیں اور تمہیں اِن بتوں کی بجائے اُس خدا کی طرف لے جاتے ہیں جسے کوئی بھی اپنے ظاہری حواس سے نہیں دیکھ رہا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک زبردست دلیل

یہ کتنی زبردست دلیل ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی دلیل اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی کہ دیکھنا تو اُس کا ہوتا ہے جو دیکھنے کے بعد اپنی رؤیت میں کسی قسم کا شک نہ کر سکے مگر مشرکوں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ اُن چیزوں کو دیکھنے کا

دعویٰ کرتے ہیں جنہیں ظاہری حواسِ خمسہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے، جنہیں ظاہری حواس سے پہچانا جا سکتا ہے مگر باوجود اِس کے کہ وہ اِن چیزوں کو دیکھنے کے مدعی ہیں جو حواسِ خمسہ سے نظر آ جاتی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ انہیں اپنے بتوں کو توڑنا پڑتا ہے، اپنے عقائد کو بدلنا پڑتا ہے، اپنے خیالات کو تبدیل کرنا پڑتا ہے اور اُس خدا پر ایمان لانا پڑتا ہے جو ظاہری حواس سے نہیں دیکھا جاتا۔ پس فرماتا ہے اے مشرکو! تمہیں حواسِ خمسہ سے محسوس کرنے کے باوجود بتوں کے وجود میں شُبہ ڈالا جا سکتا ہے لیکن حواسِ خمسہ سے بالا وجودِ الٰہی کے بارہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شُبہ میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ اِس تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ تم نے اپنے بتوں کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھا جسے اور لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ پھر تمہیں تو حواسِ خمسہ سے دیکھنے کے باوجود دھوکا لگ گیا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حواسِ خمسہ سے بالا وجودِ الٰہی کے دیکھنے میں کوئی دھوکا نہ لگا اور وہ ساری دنیا کو اُسی خدا کی طرف کھینچ کر لے گیا۔

یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ''جیسا کہ آفتاب اور اُس کی روشنی کو دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا کہ یہ آفتاب اور یہ اُس کی روشنی ہے ایسا ہی مَیں اُس کلام میں بھی شک نہیں کر سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا ہے''۔[۲۱]

یہ وہی بات ہے جو اِس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ مشرک لات، منات اور عُزّٰی کو اپنے حواسِ خمسہ سے دیکھنے کے باوجود اُن کو دیکھنے میں غلطی کر رہے ہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس ہستی کو دیکھ کر غلطی نہیں کر رہا جو اِن حواسِ خمسہ سے نہیں دیکھی جا سکتی۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کے اُس یقین اور وثوق کا اظہار کرتے ہوئے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا بلکہ آپ کی اُمت اور آپ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے یقین اور وثوق کا بھی ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** [۲۲] یعنی اے محمد رسول اللہ! تو دنیا کو کہہ دے **هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ** یہ میرا راستہ ہے۔ چنانچہ اس سے پہلی آیتوں میں اِس راستہ کا

تفصیل کے ساتھ ذکر آتا ہے۔ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جس کے نتیجہ میں مَیں دنیا کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ کسی شک یا گمان کی بناء پر مَیں یہ نہیں کہہ رہا بلکہ مَیں خدا کو جان کر اور اُسے اچھی طرح پہچان کر لوگوں کو اُس کی طرف بلاتا ہوں۔ وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ اور یہ خدا تعالیٰ کی معرفت کا مقام صرف مجھے ہی حاصل نہیں بلکہ جو لوگ میری صحبت میں رہنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن میں بھی یہ ایمان پیدا کر دیا ہے۔ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور مَیں نے خدا کو اتنا دیکھا ہے اِتنا دیکھا ہے کہ میرے دیکھنے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ مگر جب مَیں نے یہ کہا ہے کہ مَیں نے خدا کو دیکھا ہے تو اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ مجسم ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ خدا تعالیٰ مجسم نہیں ہے۔ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور مَیں مشرک نہیں ہوں۔ پس جب مَیں یہ کہتا ہوں کہ مَیں نے خدا کو دیکھا ہے تو اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کو اُسی رنگ میں دیکھا ہے جس رنگ میں اُسے دیکھا جا سکتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ آپ کی زندگی کے واقعات سے کہاں تک درست ثابت ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا تعالیٰ کی ذات پر بے مثال یقین

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر جب نگاہ دَوڑائی جائے تو ہر شخص یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی ذات پر جو یقین حاصل تھا اُس کی مثال اور کسی نبی میں نہیں مل سکتی۔ مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بڑی بڑی سازشیں اور بڑی بڑی شورشیں ہوئیں۔ آپ کو اِس قدر تکالیف دی گئیں کہ آخر آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا اور آپ نے مکہ سے نکلتے وقت یہ الفاظ فرمائے کہ اَے مکہ! تو مجھے تمام شہروں سے زیادہ عزیز تھا اور مَیں نہیں چاہتا تھا کہ تجھے چھوڑوں مگر تیرے رہنے والوں نے مجھے ٹھکرا دیا۔ انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ اس برکت کو اپنے درمیان رہنے دیں اِس لئے مَیں اب تجھے چھوڑ کر چلا ہوں [۲۳] آپ کا مکہ کو چھوڑنا اور مدینہ ہجرت کر کے جانا الٰہی منشاء کے مطابق تھا۔ خدا تعالیٰ تو چاہتا تھا کہ مکہ والے اِس برکت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کریں مگر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اِس نعمت کو ٹھکرا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب ہم چاہتے ہیں کہ کوئی

اور قوم تجھ سے فائدہ اُٹھائے۔ چنانچہ آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ جب آپ مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے آپ انہیں لے کر غارِثور میں پہنچے۔ یہ غار مکہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ اوپر سے دو تین گز چوڑی ہے لیکن اندر سے پندرہ بیس گز ہے۔ اُس زمانہ میں نقش پا پہچاننے والے اپنے فن میں بہت ماہر ہوا کرتے تھے۔ اب بھی پنجاب کے اس علاقہ میں جو جانگلی کہلاتا ہے ایسے ماہر کھوجی مل جاتے ہیں کیونکہ اُن کا روزمرہ کا یہی کام ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی بکری لے جائے یا گائے یا بھینس چُرا کر لے جائے تو وہ نقشِ پا کے پیچھے چلتے جاتے ہیں اور آخر چور کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں۔ بیکانیر وغیرہ کی طرف بھی ایسے ماہر تھے۔ عرب لوگ بھی اُس زمانہ میں اِس فن میں خاص طور پر ماہر تھے۔ مکہ والوں کا ارادہ اُسی دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا تھا جس دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہجرت کی۔ جب صبح ہوئی اور مکہ والوں نے اندر داخل ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو انہوں نے بعض ماہر اپنے ساتھ لے کر نقش پا کا پیچھا کیا اور آخر چلتے چلتے وہ ثور پہاڑ پر جا چڑھے اور کھوجی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اِس جگہ تک آئے ہیں اور پھر یہیں غار کے اندر چلے گئے ہیں۔ کھوجی کی یہ بات سن کر سب ہنس پڑے کہ یہ کیسی احمقانہ بات کر رہا ہے غار کے منہ پر تو مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے اگر وہ اندر گئے ہوتے تو جالا ٹوٹ نہ جاتا۔ بعض باتیں بظاہر معمولی ہوتی ہیں مگر عقل پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایسے سامان پیدا فرمائے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بُن دیا۔ جن لوگوں نے مکڑی کو جالا بُنتے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مکڑی اتنی جلدی جالا بُنتی ہے کہ حیرت آتی ہے۔ اگر اُنگلی سے جالا توڑا جائے تو بعض دفعہ ایک منٹ کے اندر اندر وہ پھر جالا بُن دیتی ہے۔ پس غار میں جب کوئی آدمی اُترے اور اُس کے منہ پر جالا ہو تو لازماً وہ جالا ٹوٹ جانا چاہیئے مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کیئے کہ اِدھر آپ اُترے اور اُدھر مکڑی نے پھر جالا بُن دیا۔ لمبے لمبے تاگے ہوتے ہیں اور مکڑی اُن کو بڑی جلدی بُن دیتی ہے۔ جب کھوجی نے دیکھا کہ پاؤں کے آثار اِسی جگہ تک آتے ہیں تو اُس نے کہا کہ وہ اب یہیں کہیں چھپے ہونگے۔ مگر غار کے منہ پر چونکہ مکڑی نے جالا بُنا ہوا تھا اس لئے وہ سب ہنس پڑے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگا

کہ اگر وہ اِس غار میں نہیں ہیں تو پھر یقیناً آسمان پر چلے گئے ہیں اور کسی طرف پاؤں کے آثار نہیں ہیں۔ یہ سن کر سارے کے سارے ہنسنے لگ گئے کہ آج یہ کھوجی کیسی احمقانہ باتیں کر رہا ہے معلوم ہوتا ہے یہ پاگل ہو گیا ہے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ جھانک کر اندر دیکھے کہ کیا اندر تو کوئی آدمی چھپا ہوا نہیں۔

جب تمام کُفّار غارِ ثور کے منہ پر پہنچ گئے اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرائے۔ چنانچہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں بیان فرماتا ہے۔

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [24] فرماتا ہے اُس وقت کو یاد کرو جب اُس کی قوم نے اور اُن لوگوں نے جو کافر تھے اُسے مکہ سے نکال دیا۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اُس وقت وہ صرف دو ساتھی تھے ایک وہ اور ایک ابوبکرؓ۔ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ دونوں غار میں جا کر چھپ گئے۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ جب کُفّار تلاش کرتے غارِ ثور کے منہ پر پہنچ گئے تو اُس کا ساتھی گھبرا گیا اور اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! یہ لوگ تو آ پہنچے۔ اُس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے یہ لوگ کہاں ہم کو گرفتار کر سکتے ہیں۔[25] اب کوئی انسان خواہ وہ ہندو ہو، سکھ ہو، عیسائی ہو، کسی مذہب وملت کا پیرو ہو، وہ اس مقام پر غور کرے اور اپنے آپ کو اِس جگہ پر کھڑا کر کے سوچے کہ کس قدر بے مثال ایمان اور بے مثال یقین تھا ذاتِ باری پر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں پایا جاتا تھا۔ غار میں بیٹھے ہیں دشمن سر پر آ پہنچا ہے۔ غار کا منہ بھی چھوٹا نہیں دو تین گز چوڑا ہے۔ اُن کے ساتھ وہ ماہر کھوجی ہے جس پر تمام قوم اعتماد رکھتی ہے جو اپنے فن میں پوری مہارت رکھتا ہے۔ جو نقشِ پا کو خوب اچھی طرح پہچانتا ہے وہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِسی غار میں ہیں اور اگر یہاں نہیں تو آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اُس وقت جب تمام کُفّار غار کے سر پر کھڑے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑے

اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غم مت کرو، یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کُفّار یہاں آ جائیں۔ جس طرح خدا اِن دنیا کے اندھوں کو نظر نہیں آ تا اِسی طرح ہم بھی اِن لوگوں کو نظر نہیں آ سکتے۔ کوئی بتائے کہ کیا ایسے الفاظ کسی ایسے شخص کے منہ سے نکل سکتے ہیں جس نے خدا تعالیٰ کو نہ دیکھا ہو، جس نے اُس کی نصرت کا مشاہدہ نہ کیا ہو، جو اُس کے وجود پر کامل یقین نہ رکھتا ہو اور اُس کی معرفت سے ناآشنا ہو۔ یقیناً یہ الفاظ کسی عام انسان کے منہ سے نہیں نکل سکتے اور یقیناً یہی وہ ایمان اور یقین ہے جو ایک اندھے انسان کو بھی خدا تعالیٰ کا کچھ نہ کچھ دیدار کرا دیتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر ہمارے جیسے ہی ایک انسان تھے پھر کیا چیز تھی جس نے اُن کو اِس قدر یقین اور وثوق سے بھر دیا۔ کونسی طاقت تھی جس کے بھروسہ پر ایسے حالات میں جب کہ دشمن سر پر کھڑا تھا اُسے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایمان کا اظہار کیا۔ کھوجی ساتھ تھا اور وہ اصرار کر رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اِسی غار کے اندر ہوسکتے ہیں اور کہیں نہیں۔ جاؤ اور دیکھو تو سہی کہ کیا وہ اندر تو نہیں مگر وہ ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتے وہ ہنستے ہیں کہ آج ہمارے کھوجی کو کیا ہو گیا۔ آج اُس کی عقل کہاں گئی، آج وہ کیوں دیوانوں کی سی باتیں کر رہا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھلا اِس غار میں ہوسکتے ہیں اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ مکڑی نے منہ پر جالا تن رکھا ہے؟ ایسے وقت میں، ایسی نازک گھڑیوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بتاتا ہے کہ جس طرح ایک انسان کو ایک اور ایک دو پر یقین ہوتا ہے اِسی طرح بلکہ اِس سے بھی زیادہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خدا پر یقین تھا۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ پس اللہ تعالیٰ نے اُس پر سکینت نازل کی۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ کا مرجع

یاد رکھو! اِنتشارِ ضمائر عربی زبان کا خاصہ ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہاں دھوکا کھایا ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس قدر اطمینان سے بھرے ہوئے تھے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اور دوسری طرف فرماتا ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ

عَلَيْهِ اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی سکینت نازل کی۔ اِتنے یقین کامل سے بھرے ہوئے ہونے کے بعد اُن کا دل تسلی سے کس طرح خالی ہوسکتا تھا اور پھر وجہ کیا ہے کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ یہ دھوکا درحقیقت اِسی وجہ سے لگا ہے کہ انہوں نے ضمائر کو نہیں سمجھا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور عَلَيْهِ کی ضمیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف پھرتی ہے یعنی اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى اَبِىْ بَكْرٍ ۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ ابوبکرؓ! غم مت کر خدا ہمارے ساتھ ہے تو ابوبکرؓ کا دل تسلی پا گیا۔ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا اِس میں ہٗ کی ضمیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے لشکروں کے ساتھ مدد کی جن کو کافر دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اِس سے مراد فرشتوں کا وہ لشکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے بھیجا جب وہ کافر فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے تو جو شخص فرشتوں کی فوج کے پیچھے کھڑا تھا اُسے کس طرح دیکھ سکتے تھے۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کو ذلیل کر دیا اور خدا تعالیٰ کی بات اونچی ہوگئی۔

یہاں ایک عجیب بات بیان کی گئی ہے۔ اُس وقت واقعہ یہ تھا کہ کافر اوپر تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے تھے۔ طریق یہی ہے کہ اوپر والے سے نیچے والا مار کھاتا ہے۔ جو شخص پہاڑی پر کھڑا ہو وہ پتھر پھینک پھینک کر ہی اپنے دشمن کو ہلاک کرسکتا ہے۔ لیکن نیچے کھڑا ہونے والا اگر پتھر اُسے مارنے کیلئے پھینکے گا بھی تو سَو ڈیڑھ سَو گز تک رہ جائے گا اور غالب اوپر والا ہی آئے گا لیکن فرماتا ہے باوجود اِس کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت نیچے تھے اور کافر اوپر اور ان کے لئے موقع تھا کہ وہ جھانکتے، دیکھتے اور پتہ لگاتے کہ اندر کوئی چھپا ہوا تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اُس کی تائید نے یہ کرشمہ دکھایا کہ جو اونچا تھا وہ نیچا ہوگیا اور جو نیچے تھا وہ اوپر ہوگیا۔ جو غالب تھا وہ مغلوب ہوگیا اور جو مغلوب تھا وہ غالب ہوگیا۔

حالانکہ بادیٔ النظر میں اگر کُفّار چاہتے تو اُس وقت محمد رسول اللہ ﷺ کو ہلاک کر سکتے تھے مگر ہوا یہ کہ اِس واقعہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا ایک زندہ نشان دنیا میں قائم ہو گیا۔ ہمیشہ کے لئے دشمنوں کی ناکامی اور اُن کی خدا تعالیٰ کی نصرت سے محرومی کا ایک زندہ نشان دُنیا میں قائم ہو گیا۔ ہمیشہ کیلئے دشمنوں پر حجت قائم کرنے کا خدا نے یہ سامان پیدا فرما دیا کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ خدا کا پیارا نہیں تھا، اگر خدا اُس کے ساتھ نہیں تھا، اگر اُس کی تائید اور نصرت کا نشان اُس کے شامل حال نہیں تھا تو یہ کس طرح ہو گیا کہ تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تباہی کا جو سامان کیا تھا وہ اُس کی طاقت وقوت کے بڑھانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

ضمنی طور پر مَیں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ اِس موقع پر بعض لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکرؓ کے دل میں ایمان نہیں تھا کیونکہ وہ گھبرا گئے اور انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ دشمن ہمیں پکڑ لیں گے۔ حالانکہ اوّل تو یہ سوال ہے کہ اتنا بڑا ایمان دنیا میں کتنے لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ آخر ہر شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تو نہیں ہو سکتا کہ دشمن سر پر کھڑا ہے، کھوجی کہتا ہے کہ اِس غار میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گئے ہیں اور وہ جس کے متعلق یہ باتیں ہو رہی ہیں بڑے اطمینان سے کہتا ہے کہ یہ ہمیں دیکھ کہاں سکتے ہیں ان کی مجال نہیں کہ اندر جھانکیں اور ہمارا پتہ لگا سکیں۔ کیا ہر شخص کی طاقت ہے کہ وہ ایسے نازک مواقع پر اس قسم کے ایمان اور یقین کا اظہار کر سکے؟ اربوں نہیں کھربوں میں سے کوئی ایسا آدمی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایسا یقین اور وثوق رکھتا ہے۔ پس اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ کی اِس بات سے یہ شُبہ پڑتا ہے کہ وہ یہ خیال کرنے لگ گئے تھے کہ دشمن اندر نہ آ جائے تو سوال یہ ہے کہ ہم کب اُن کو ایمان میں محمد رسول اللہ ﷺ کے برابر سمجھتے ہیں۔ بیشک انہوں نے رسول کریم ﷺ کی متابعت کی اور خوب کی مگر پھر بھی ہم اُن کو ویسا تو نہیں سمجھتے جیسے رسول کریم ﷺ تھے۔ پس اگر بِالفرض یہ کسی کمزوری کا ثبوت ہے تو پھر بھی کیا ہوا آخر اُن کا ایمان رسول کریم ﷺ جیسا تو نہیں تھا لیکن تاریخی لحاظ سے یہ بات بالکل غلط

ہے جو اعتراض کی صورت میں پیش کی جاتی ہے۔تاریخوں میں آتا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے عرض کیا کہ اب کیا ہوگا دشمن تو سر پر آ گیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا** تو حضرت ابوبکرؓ رو پڑے اور فرمانے لگے **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** مجھے اپنی جان کی فکر نہیں اگر مَیں مارا گیا تو میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں محض ایک آدمی مارا جائے گا لیکن اگر خدانخواستہ آپ پر کوئی آنچ آئی تو دنیا تباہ ہو جائے گی۔ پس اُن کو غمگین اپنی جان کی فکر نے نہیں کیا بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے عشق نے انہیں غمگین کیا۔ انہیں یہ غم نہیں تھا کہ کہیں دشمن اُن تک نہ آ پہنچے بلکہ یہ غم تھا کہ کہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آ جائے۔

یہ سوال کہ اُن کو خدا کا رسول سمجھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے دل میں یہ خیال کس طرح آ گیا کہ کہیں دشمن سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ اِسے محبت کرنے والا انسان ہی سمجھ سکتا ہے۔محبت اور عشق ایسی چیز ہے کہ کہتے ہیں

عشق است و ہزار بد گمانی

باوجود یہ یقین رکھنے کے کہ میرا محبوب اور میرا معشوق اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے پھر بھی عاشق کا دل لرزتا ہے، کانپتا ہے کہ کہیں اُس پر کوئی آنچ نہ آ جائے۔ ماؤں کو دیکھ لو تھوڑی دیر بھی اُن کا بچہ گھر میں نہ آئے تو خیال کرنے لگ جاتی ہیں کہ کہیں کسی موٹر کے نیچے نہ آ گیا ہو، کبھی خیال کرتی ہیں کہ کسی کے کوٹھے پر سے نہ گر گیا ہو، کبھی اُن کے دل میں یہ وہم پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ کسی کنویں میں نہ گر گیا ہو بچہ موجود ہوتا ہے، خیریت سے ہوتا ہے، کھیل کود رہا ہوتا ہے مگر تھوڑی دیر کا وقفہ بھی وہ برداشت نہیں کر سکتیں اور سب باتیں اُن کے لئے واقعات کی صورت اختیار کر لیتی ہیں وہ دل میں بھی سمجھ رہی ہوتی ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی محبت کا جوش اُن سے یہ ساری باتیں منوا لیتا ہے۔ اِسی طرح حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ خدائی وعدوں کے مطابق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی لیکن محبت اور عشق کی وجہ سے اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن آ پہنچے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچ جائے۔

میری زندگی کا ایک قابلِ فخر واقعہ

میری زندگی میں بھی مجھ سے ایک ایسی ہی کمزوری سرزد ہوئی ہے مگر مجھے اپنے تمام اعمال سے زیادہ اِس کمزوری پر خوشی ہوا کرتی ہے۔ وہ بیوقوفی کی بات تھی خالص پاگل پن تھا مگر مجھے جتنا اپنے اُس پاگل پن پر ناز ہے اتنا ناز مجھے اور کسی کام پر نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تھا کہ ایک دفعہ قادیان میں بجلی گری اور اِس زور سے گری کہ بڑی دُور تک اُس کی دہشت ناک آواز پھیل گئی۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صحن میں تھے۔ جب بارش شروع ہوئی تو آپ صحن سے اُٹھ کر کمرہ کے اندر تشریف لے جانے لگے۔ ابھی آپ صحن میں ہی تھے کہ یکدم بجلی گرنے کی خوفناک آواز پیدا ہوئی۔ میں اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تھا مَیں نے جلدی سے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور آپ کے سر پر رکھ دیا یہ خیال کر کے کہ اگر بجلی گرے تو میرے ہاتھوں پر گرے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نہ گرے۔ یہ ساری ہی پاگل پن کی باتیں تھیں۔ اوّل یہ خیال کرنا کہ خدا کے مسیح پر بجلی گرے گی۔ دوم یہ خیال کرنا کہ اگر بجلی گری تو میرے ہاتھ اُسے روک لیں گے یہ دونوں ہی پاگل پن کی باتیں ہیں اور بعد میں مَیں اپنی اِس حرکت پر ہنس بھی پڑا۔ مگر مَیں نے آج تک جتنے کام کئے ہیں اِس سے زیادہ مجھے اور کسی کام پر فخر نہیں۔ یہ ہے تو ایک بیوقوفی لیکن اِس بیوقوفی سے مجھے اُس وقت یہ یقین ہو گیا کہ میرے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورا ایمان ہے۔ اگر یہ بیوقوفی مجھ سے سرزد نہ ہوتی تو مجھے اپنے اِس اندرونی ایمان کا پتہ نہ لگتا۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ خطرہ خیالی تھا مگر جس انسان کی خاطر مَیں نے یہ فعل کیا چونکہ وہ میرا محبوب تھا اِس لئے مَیں نے اس خطرہ کو حقیقی خطرہ سمجھا اور یہ خیال میرے دل سے جاتا رہا کہ یہ وہم ہے ایسا کب ہوسکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی اُس وقت ایسی ہی حالت تھی۔ بیشک عقل کی گھڑیوں میں انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خدا کے رسول ہیں اِس لئے اُن پر کوئی ایسی مصیبت نہیں آ سکتی کہ دشمن اُن تک پہنچ جائے لیکن عشق میں یہ بات نہیں سُوجھتی۔ جب معشوق خطرہ میں ہو تو عاشق کا دل دھڑکتا ہے کہ ایسا نہ ہو اِسے کوئی نقصان

پہنچ جائے۔

خدا تعالیٰ کی نصرت پر یقین کامل کا ایک اور واقعہ

اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک جنگ میں تشریف لے گئے وہاں جس قوم سے لڑائی ہوئی اُس نے بعد میں فیصلہ کیا کہ ہم مسلمانوں کا کھلے بندوں مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم جب بھی مقابلہ کریں گے شکست کھائیں گے اِس لئے ہمیں آئندہ مسلمانوں کا چوری چھپے مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک شخص نے قسم کھائی کہ مَیں اب محمد (ﷺ) کو مار کر ہی واپس آؤں گا۔ وہ گھر سے چلا اور چوری چھپے اسلامی لشکر کے پیچھے آتا رہا۔ جب مدینہ بہت تھوڑی دُور رہ گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرنے کیلئے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ صحابہؓ بھی اِس خیال سے کہ اب تو ہم اپنے علاقہ میں آ گئے ہیں اِردگرد جنگل میں پھیل گئے اور مختلف درختوں کے نیچے سو گئے۔ اتفاقاً اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی شخص نہ رہا اور آپ اکیلے اُس درخت کے نیچے رہ گئے۔ آپ نے اپنی تلوار اُسی کیکر کی ایک شاخ کے ساتھ لٹکا دی اور سونے کیلئے لیٹ گئے۔ وہ شخص جو آپ کے تعاقب میں آ رہا تھا اُس نے اِس موقع کو تاڑا۔ وہ قریب آیا اور اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس تلوار کو اُٹھا لیا جو کیکر کے درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ پھر اُس نے آپ کو جگایا اور کہنے لگا مَیں آپ کو مارنے کیلئے گھر سے نکلا تھا اور مَیں قسم کھا کر چلا تھا کہ مَیں واپس نہیں جاؤں گا جب تک آپ کو ہلاک نہ کر لوں اب آپ مرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ پھر کہنے لگا بولو اب کون تمہارے ساتھ ہے؟ تمہارے لشکر نے ہماری قوم کو تباہ کر دیا مگر اب وہ لشکر تمہارے پاس نہیں۔ تم اکیلے میرے سامنے ہو اور تلوار میرے ہاتھ میں ہے بتاؤ اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ اللہ اب کہنے کو تو بعض دفعہ بچے بھی اِس قسم کی باتیں کہہ دیتے ہیں مگر جس یقین اور وثوق کے ساتھ آپ کی زبان سے یہ لفظ نکلا وہ اس کے نتیجہ سے ظاہر ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ اللہ تو اُس کا ہاتھ کانپ گیا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے اُسی وقت اُٹھ کر تلوار کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا بتا اب تجھے کون

بچا سکتا ہے وہ کہنے لگا آپ ہی رحم فرما دیجئے، آپ کے سِوا اور کون بچا سکتا ہے۔[۲۶]

دیکھو! کتنا یقین اور وثوق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔ یہ یقین اور وثوق ایسا ہی ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ لکھا ہے کہ سورج کے وجود پر مجھے شُبہ ہوسکتا ہے، چاند کے وجود پر مجھے شُبہ ہوسکتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی ذات پر مجھے شُبہ نہیں ہوسکتا۔[۲۷] یہی یقین اور ایمان کامل اور اَتَمّ طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں پایا جاتا تھا اور آپ ہر وقت خدا تعالیٰ کو اپنے ساتھ دیکھتے تھے۔

غزوۂ حنین میں خدا تعالیٰ کی نصرت پر غیر متزلزل یقین

پھر ایک اور واقعہ ہے جس سے آپ کے ایمان اور اُس یقین کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول کریم ﷺ بعض عرب قبائل کے مقابلہ کے لئے غزوہ حنین میں تشریف لے گئے تو چونکہ مکہ میں بہت سے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اِس لئے وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوگئے اور جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بھی صرف اظہارِ شان اور قومی جوش کی وجہ سے مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے اپنی کثرت اور طاقت پر لاف زنی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس کبر کی سزا دینے کیلئے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ جب مسلمانوں کا لشکر آگے بڑھا تو دشمن کمین گاہ میں چھپ گیا اور اُن کے بڑے بڑے ماہر تیر انداز کچھ دائیں طرف چھپ کر بیٹھ گئے اور کچھ بائیں طرف چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب لشکر اس مقام سے گزرا جس کے دائیں بائیں ہزاروں تیر انداز چھپے بیٹھے تھے تو انہوں نے یکدم اسلامی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ دیکھ کر وہ حدیث العہد اور نئے مسلمان جن میں ابھی کمزوری پائی جاتی تھی اور مکہ کے وہ کافر جو صرف قومی جوش کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوگئے تھے بے تحاشہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ ایسی صورت میں جب اگلے لوگ بھاگیں تو لازماً پیچھے آنے والوں کے گھوڑے بھی بدک جاتے ہیں اور وہ بھی بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس جنگ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جب وہ حدیث العہد مسلمان اور کُفّار تیروں کی بوچھاڑ برداشت نہ کرتے ہوئے بھاگے تو صحابہؓ کے گھوڑوں اور اونٹوں نے بھی بھاگنا شروع کر دیا اور تمام اسلامی لشکر

تتر بتّر ہوگیا۔ یہ مصیبت یہاں تک بڑھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ آدمی رہ گئے، باقی سب میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عرض کیا۔ اب ٹھہرنے کا وقت نہیں گھوڑے کی باگ پھیریں اور واپس چلیں تا کہ اسلامی فوج کو دوبارہ جمع کر کے حملہ کیا جائے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے نبی میدانِ جنگ سے پیٹھ نہیں موڑا کرتے۔ یہ کہہ کر آپ نے گھوڑے کی باگ اُٹھائی اور اُسے ایڑ لگا کر اور بھی آگے بڑھا دیا اور فرمایا:۔

اَنَـــــا الــــنَّبِـــــــیُّ لَا کَــــذِبُ

اَنَـــــا ابْـــنُ عَبْـــدِالْـــمُـــطَّـــلِـــبُ

مَیں خدا کا نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں اور مَیں جو آج اِن تیراندازوں سے نہیں ڈرا اور چار ہزار تیر اندازوں کے نرغہ میں گھرے ہونے کے باوجود آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا ہوں تو اس نظارہ کو دیکھ کر تم کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ مَیں خدا ہوں یا مجھ میں بھی خدائی صفات پائی جاتی ہیں یاد رکھو! مَیں خدا نہیں، مَیں تو وہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ مگر یہ لوگ خدا نما وجود ہوتے ہیں جب یہ حالت پیدا ہوئی اور دشمن خوش ہوا کہ اُس نے مسلمانوں کو مار لیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ عباس! آواز دو کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔[۲۸]

صحابہؓ کا جوشِ اخلاص

جب حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ دُہرایا کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے تو اُس وقت ایک انصاری کا بیان ہے کہ حالت یہ تھی کہ ہمارے گھوڑے اور اونٹ ہمارے قبضہ سے نکلے جا رہے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ مکہ اور مدینہ کے ورے یہ نہیں رُکیں گے۔ وہ بوجہ مکہ کے ہزاروں لوگوں کے بھاگنے کے اِس قدر ڈر گئے تھے کہ کسی طرح واپس لوٹتے ہی نہ تھے۔ ہم اپنی سواریوں کی باگیں کھینچتے اور اِس قدر زور لگاتے کہ اُن کا منہ اُن کی دُم کو آ لگتا، مگر بجائے واپس لوٹنے کے وہ پیچھے کی طرف ہی بھاگتیں۔ ہماری یہی حالت تھی کہ ہمارے کانوں میں حضرت عباسؓ کی یہ گونجنے والی آواز آئی کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔ وہ کہتے

ہیں کہ اِس آواز کے سنتے ہی ہماری یہ حالت ہوگئی کہ ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہمیں کوئی آدمی پکار رہا ہے بلکہ ہمیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ قیامت کا دن ہے اور مُردہ رُوحوں کو زندہ کرنے کیلئے صورِ اسرافیل پھونکا جا رہا ہے۔ اُس وقت ہمیں دنیا و مافیہا کا کوئی ہوش نہ رہا اور صرف ایک ہی آواز ہمارے کانوں میں گونجنے لگی اور وہ عباسؓ کی آواز تھی۔ اُس وقت ہماری تمام کمزوری جاتی رہی اور یا تو ہمارے اندر یہ احساس پایا جاتا تھا کہ ہم اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو نہیں روک سکتے یا پھر ہم نے آخری دفعہ پھر زور لگایا اور اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو موڑنے کی پوری کوشش کی۔ چنانچہ جو مُڑ گئے سو مُڑ گئے اور جو نہ مُڑے ہم نے تلواریں نکال کر اُن کی گردنیں کاٹ دیں اور پیدل دَوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔[۲۹] یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایمان سے فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ شان تھی کہ خواہ کیسا ہی خطرہ ہو خدا آپ کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا تھا یہی شان اپنے درجہ کے مطابق صحابہؓ میں بھی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ جب غزوۂ احزاب کا موقع آیا تو خطرہ بہت بڑھ گیا۔ اُس وقت دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ منافق بھی اُن کو دیکھ کر دلیر ہوگئے اور وہ کہنے لگے یہ مسلمان تو دنیا فتح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے آج دیکھو اِن کی کس طرح شامت آئی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ منافقوں نے اُس وقت یہ کہنا شروع کر دیا کہ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا [۳۰] اے مدینہ والو! اب تمہارے لئے کوئی ٹھکانہ باقی نہیں رہا۔ اب تمہاری نجات کی یہی صورت ہے کہ مرتد ہو جاؤ اور اسلام کو چھوڑ دو ورنہ سب کے سب مارے جاؤ گے۔ مگر اِس کا مومنوں پر کیا اثر تھا؟ وہ بھی قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اُس وقت دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی، عرب کے سارے قبائل جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے آ گئے تھے اور مسلمان نہایت قلیل تعداد میں تھے، اُدھر مدینہ کے اندر جو یہودی رہتے تھے وہ بھی مسلمانوں کے مخالف ہوگئے۔ دوسری طرف خود مسلمانوں کے ایک حصہ نے جو منافقوں پر مشتمل تھا انہیں طعنے دینے شروع کر دیئے کہ بتاؤ تمہارے دنیا فتح کرنے کے خواب کدھر گئے اب تو مرتد ہونے کے سِوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔ ایسے خطرناک حالات میں جب کہ اپنے بھی بگڑ چکے تھے، ہمسائے بھی مخالف ہو چکے تھے اور باہر بھی سارا ملک

حملہ کرنے کیلئے جمع تھا، مسلمانوں کی کیا حالت تھی؟ اللہ تعالیٰ اِس کا قرآن کریم میں ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا [۳۱] فرماتا ہے جب چاروں طرف سے عرب کی قومیں مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے جمع ہو گئیں، جب یہود نے علمِ بغاوت بلند کر دیا، جب منافقوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہی اور انہوں نے مسلمانوں کو کہنا شروع کر دیا کہ اگر اس حملہ سے بچنا چاہتے ہو تو مرتد ہو جاؤ تو ایسی نازک حالت میں بھی انہوں نے کہا اِن فتنوں سے ہمیں کیا ڈراتے ہو، یہ تو وہی خطرے ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا تھا اور ہمیں بتایا گیا تھا کہ تمہیں ایسے ایسے خطرات پیش آئیں گے اور یہ تو وہی باتیں ہیں جن کی ہمیں پہلے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہوئی تھی اور بتا دیا تھا کہ اسلام پر یہ لوگ ایک دن متحدہ طور پر حملہ کرنے کیلئے آئیں گے۔ پس اِن دشمنوں کے آنے سے اُن کا ایمان اور بھی بڑھ گیا اور انہوں نے کہا صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ خدا اور اُس کے رسول نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا اور اس عظیم الشان فتنہ نے مومنوں کو اگر کسی چیز میں بڑھایا تو ایمان میں ہی بڑھایا۔

توکّل ترکِ عمل کا نام نہیں

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سنگِ پارس کی طرح تھے کہ آپ جس کو چھوتے اُس کے اندر بھی وہی ایمان پیدا ہو جاتا جو آپ کے اندر تھا مگر یہ ایمان سُستی اور غفلت کا نہ تھا۔ اب بھی بعض لوگ ایسے نظر آ جائیں گے جو اِس قسم کے ایمان کا اپنے منہ سے دعویٰ کریں گے مگر درحقیقت اُن کا ایمان سُستی اور غفلت کا ایمان ہوگا اور بعض لوگ تو اپنی جہالت کی وجہ سے ترکِ عمل کا نام ایمان اور توکّل رکھ لیتے ہیں اور بعض اپنی سُستی کو چھپانے کے لئے اس کا نام ایمان رکھ لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی کام کرنا ہے، بارش آ گئی ہے اور اسباب اُٹھا کر کمرہ کے اندر رکھنا ہے تو وہ سُستی سے کام لیتے ہوئے اسباب کو تو نہ اُٹھائیں گے اور یونہی منہ سے کہہ دیں گے کہ اللہ خیر کرے گا۔ یا بارش کی وجہ سے خطرہ ہے کہ کھیت کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اور بیوی یا کوئی اور رشتہ دار عورت

کہتی ہے کہ جاؤ ذرا منڈیر درست کر آؤ تو وہ کہہ دیں گے کہ اللہ پر توکّل کرو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھ سے اِس وقت یہ کام نہیں ہو سکتا جو نقصان ہوتا ہے بیشک ہو جائے۔ پس یہ ایک نفس کا دھوکا ہے ایمان نہیں ہے۔ ایسے لوگ ایماندار اور متوکّل نہیں ہوتے بلکہ نکمّے اور قوم کیلئے بوجھ ہوتے ہیں۔ وہ قوم کی تباہی کا ذریعہ اور خدا کا ایک مجسم عذاب ہوتے ہیں۔ اُن کو متوکّل یا ایماندار کہنا توکّل اور ایمان کی ہتک کرنا ہے۔ وہ شخص جسے خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین ہو اور پھر ساتھ ہی اُسے یہ بھی یقین ہو کہ مجھے اُس نے ایک خاص مقصد کیلئے پیدا کیا ہے وہ ترکِ عمل کب کر سکتا ہے۔ وہ تو سب سے زیادہ عمل کرنے والا ہوتا ہے۔ پس یہ لوگ متوکّل نہیں ہوتے بلکہ سُست نکمّے اور غافل ہوتے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال آپ کے ایمان کی وجہ سے تھے کیونکہ جو شخص سمجھتا ہے کہ ایک خدا ہے اور اُس نے مجھے کسی خاص مقصد کیلئے پیدا کیا ہے وہ اُس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے کوشش بھی کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ایمان کا اظہار کرتے ہیں، جہاں غارِ ثور میں بیٹھے ہوئے حضرت ابوبکرؓ سے کہتے ہیں۔ ابوبکرؓ! مت گھبراؤ خدا ہمارے ساتھ ہے اور وہی ہمارا محافظ ہے، وہاں آپ دین کے دوسرے کاموں میں رات اور دن اِس طرح مشغول رہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے ساری خدائی کے کام آپ کے ہی سپرد کئے جا چکے ہیں۔ پس ایک طرف اگر آپ کو یہ یقین تھا کہ خدا ہے اور وہ اپنے بندوں کی مدد کیا کرتا ہے تو دوسری طرف آپ خدا کا امتحان لیتے نظر نہیں آتے۔ یہ نہیں کرتے کہ جب خدا نے کہہ دیا ہے کہ مَیں تجھے فتح دوں گا تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور کہیں کہ اب فتح کیلئے کسی کوشش کی کیا ضرورت ہے، اللہ اپنے وعدہ کے مطابق آپ فتح دے گا۔ آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ فتح کے لئے کوشش بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ لوگوں کو فوجی کرتب سکھاتے ہیں، دشمن کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کرتے ہیں، سواریوں کا انتظام کرتے ہیں، ہتھیار اکٹھے کرتے ہیں، فوجیوں کے کھانے اور رہائش وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں، پھر ان تمام انتظامات کو مکمل کرنے کے بعد دشمن سے لڑنے کیلئے جاتے ہیں اور جب کوئی ایسا وقت آتا ہے جب دشمن زیادہ ہوتا ہے اور صحابہ کم ہوتے ہیں تو آپ بڑے یقین اور وثوق اور ایمان کے ساتھ فرماتے ہیں کہ گو ہم تھوڑے ہیں مگر جیتیں گے ہم ہی۔ پس جہاں تک انسانی تدابیر آپ کر

سکتے تھے وہاں تک آپ تمام تدابیر سے کام لیتے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکّل کیا کرتے تھے۔ پس آپ کا ایمان جہالت اور سُستی والا ایمان نہ تھا بلکہ آپ کا ایمان مشاہدہ والا ایمان تھا اور مشاہدہ والا ایمان اُسی شخص کا ہوتا ہے جو ایک ہی وقت میں توکّل بھی کرتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے، گویا عمل اور توکّل دونوں کو اکٹھا رکھتا ہے۔

پس یہ وہ ایمان ہے جو ہمارے لئے اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے اگر ہم یہ ایمان اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں یا اِس جیسا ایمان پیدا کر لیتے ہیں کیونکہ ہر شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل تصویر نہیں ہوسکتا تو یقیناً ہم اپنے دلوں میں ایمان پیدا ہونے کی اُمید رکھ سکتے ہیں اور اطمینان حاصل کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جس قسم کا ایمان ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے اُس قسم کے ایمان کے لئے ہم نے صحیح کوشش شروع کر دی ہے۔

رسول کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ایک پیہم عمل دکھائی دیتی ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھو وہ ایک ایسا پیہم عمل ہے کہ حیرت آتی ہے۔ دنیا کا کوئی انسان اِس قدر کام کرنے والا نظر نہیں آتا۔ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھاتے ہیں، قرآن کریم یاد کراتے ہیں، قرآن کریم کی تفسیر لوگوں کو سکھاتے ہیں، قاضی ہیں لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے ہیں، محتسب ہیں اِس بات کی نگرانی رکھتے ہیں کہ تاجروں اور زمینداروں کے لین دین درست رہیں، غریبوں کے کام کرتے ہیں، قوم کے خزانچی ہیں، خزانہ جمع کرتے ہیں اور اُسے تقسیم کرتے ہیں، جرنیل ہیں فوج کی کمان کرتے ہیں، انسٹرکٹر ہیں فوجی ہنر قوم کو سکھاتے ہیں، سیاسی آدمی ہیں مسلمانوں اور یہود و مشرکین وغیرہ کے جھگڑے چکاتے ہیں۔ جاسوس جا رہے ہیں، معاہدات ہو رہے ہیں، گھر میں جاتے ہیں تو عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ''یک انار صد بیمار'' بھی ناممکن ہوتا ہے مگر یہاں تو ایک شخص ہزاروں کام کرتا ہے اور سارے ہی ٹھیک کرتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ اچھا خاوند بھی ہے اور اچھا باپ بھی ہے اچھا رشتہ دار بھی ہے۔ غرض ہر ضرورت کو تاڑتے ہیں وقت پر ہر کام کرتے ہیں اور یہ نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں اللہ پر ایمان ہے وہ آپ ہی سب کام کر دے گا۔ آپ ایک صادق القول کی طرح خدا تعالیٰ کے ایمان کا اپنے عمل سے ثبوت دیتے

ہیں اور خدا تعالیٰ کا امتحان نہیں لیتے۔ عبادت کرتے ہیں تو پاؤں سُوج جاتے ہیں اور لوگ توجہ دلاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔[۳۲] پھر اتنے عمل پر کوئی کہتا ہے کہ آپ اپنے عمل سے نجات پائیں گے تو فرماتے ہیں نہیں میری نجات بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوگی۔[۳۳] وہاں اتنا عمل کر کے یہ انکسار ہے اور یہاں عمل ترک کر کے خدا تعالیٰ پر حق جتائے جاتے ہیں بلکہ احسان رکھا جاتا ہے۔

درحقیقت ہم جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ایمان اپنے اندر پیدا نہیں کرتے، ایمان کا دعویٰ ایک لغو دعویٰ ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص کا ایمان اتنا ہی شاندار ہو مگر کم از کم اُس کی نقل کرنے کی کوشش تو ہونی چاہئے۔ راستہ تو وہ ہونا چاہئے، پھر راستہ میں مرجانے پر بھی ہم نجات پا سکتے ہیں۔ لیکن اگر راستہ ہی اَور ہو اور انسان اِس طریق کو ہی اختیار نہ کرے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا تھا اور جس کا نمونہ آپؐ نے ہمارے سامنے پیش کیا تو ایسی صورت میں نجات کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔

محبت الٰہی کے ایمان افروز نظارے

پھر خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی ایک نمایاں علامت محبت ہوا کرتی ہے۔ جہاں ایمان ہو وہاں محبت ضرور موجود ہوتی ہے اور درحقیقت کامل معرفت کسی انسان کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی جب تک خدا تعالیٰ کی کامل محبت اُس کے اندر نہ پائی جائے۔ رسول کریم ﷺ کی ذات میں ہمیں محبت الٰہی کا نظارہ ایسے شاندار طریق پر نظر آتا ہے کہ آپ نے اپنی ساری عمر محبت الٰہی میں ہی گزار دی۔

رسول کریم ﷺ کی روحانی بلوغتِ تامہ کی زندگی غارِ حرا سے شروع ہوتی ہے۔ آپؐ کا طریق تھا کہ آپؐ وہاں جاتے اور دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ آپؐ کی اُس وقت بیوی موجود تھی، بچے موجود تھے مگر اُن سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے جوش میں تین تین، چار چار، پانچ پانچ دن وہاں رہتے اور ایک پہاڑی پر دو پتھروں کے درمیان بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ پھر آپ واپس تشریف لاتے تو مسکینوں کی خبر گیری کرتے، کمزوروں کی مدد کرتے، اُن کی کوئی تکلیف معلوم ہوتی تو اُسے دُور کرنے کی کوشش کرتے اور پھر کھانا اپنے

ساتھ لیکر کئی کئی دن تخلیہ میں عبادت کرنے کے لئے غارِ حرا میں چلے جاتے۔غرض آپ کی زندگی کی ابتداء محبت الٰہی سے ہوئی اور آپ کی زندگی کی انتہا بھی محبت الٰہی پر ہی ہوئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے انتقال فرمایا تو اُس وقت آپ کا سر میرے سینہ پر تھا اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی[۳۴] اپنے آسمانی خدا کے پاس مَیں اَب جانا چاہتا ہوں۔ اپنے آسمانی دوست کے پاس مَیں اَب جانا چاہتا ہوں۔ یہ محبت الٰہی کے نظارے آپ کی زندگی میں ایسے ایسے شاندار نظر آتے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر حیرت آ جاتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق لوگوں کو وعظ کرنا شروع کیا اور شرک کی تردید شروع کی تو مکہ والوں کو یہ بات بہت ہی ناگوار گزری اور آخر ایک دن سمجھوتہ کر کے وہ ایک وفد کی صورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ آپ ہماری قوم کے سردار ہیں آپ کا ہم بہت ادب کرتے ہیں اور آپ کے ادب کی وجہ سے ہی ہم آپ کے بھتیجے کو کچھ نہیں کہتے۔مگر اَب معاملہ حد سے گزر گیا ہے اور ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ اُس سے اِس معاملہ میں ہماری طرف سے آخری بات کریں۔ اگر اُسے کوئی خوبصورت بیوی چاہئے تو ہم اُسے سب سے اعلیٰ گھرانے کی اور سب سے زیادہ حسین لڑکی دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر اُسے روپیہ کی ضرورت ہے تو ہم سب اُسے اپنی دولت میں سے ایک ایک حصہ دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر اُسے حکومت چاہئے تو ہم اُسے اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں مگر وہ اِتنا لحاظ تو کرے کہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔ ہم اُسے یہ نہیں کہتے کہ وہ ہمارے بتوں کو مان لے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہے اور اگر وہ ہماری اِن باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہ مانے تو پھر آپ اُس کا ساتھ چھوڑ دیں، ہم خود اُسے نپٹ لیں گے۔

رسول کریم ﷺ نے ہر بڑی سے بڑی لالچ کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا

ابوطالب بڑے نیک آدمی تھے۔ رسول کریم ﷺ سے بڑی محبت رکھتے تھے مگر انہیں اپنی سرداری بھی بڑی پیاری تھی۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو بُلوایا اور کہا آج تیری قوم میرے پاس آئی تھی اور وہ کہتی تھی کہ ابوطالب ہمیں تیرا لحاظ ہے اور تیرے لحاظ کی وجہ سے ہی ہم نے تیرے بھتیجے کو اَب تک کچھ نہیں کہا مگر اَب بات حد سے گزر گئی ہے وہ اگر اور کوئی بات نہیں مانتا تو اُسے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ وہ ہمارے بُتوں کو بُرا بھلا نہ کہے ہم اُسے اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر دولت چاہے تو اُسے اتنی دولت دینے کے لئے تیار ہیں کہ عرب میں اُس سے بڑھ کر اور کوئی مالدار نہ رہے۔ کوئی حسین بیوی چاہے تو ہم اچھی سے اچھی عورت سے اُس کی شادی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ غرض وہ کوئی بھی مطالبہ کرے ہم اُسے پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ صرف اتنا کرے کہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابوطالب کے بڑے احسانات تھے، انہوں نے آپ کو بچپن سے بڑی محبت اور پیار کے ساتھ پالا تھا اور ہر دُکھ اور مصیبت میں انہوں نے آپ کا ساتھ دیا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی یہ حالت دیکھی تو اُن احسانات کو یاد کر کے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر آپ نے فرمایا چچا مَیں تو نہیں کہتا کہ آپ میری مدد کریں، آپ بیشک اپنی قوم کا ساتھ دیں اور مجھے چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں بھی لا کر کھڑا کر دیں تب بھی مَیں ایک خدا کے ذکر سے باز نہیں آ ؤں گا[۳۵] دیکھو! کتنا وثوق اور کتنا یقین ہے خدا تعالیٰ کی ذات پر۔ حالانکہ سورج کا اپنی جگہ سے ہلنا اِتنا بڑا معجزہ ہے کہ اگر یہ واقعہ ہو تو انسان حیران ہو کر رہ جائے۔ مگر آپ فرماتے ہیں اگر یہ سورج کو اُس کی جگہ سے ہلا دیں اور میرے پاس لا کر کھڑا کر دیں اگر یہ چاند کو اُس کی جگہ سے ہلا دیں اور میرے پاس لا کر کھڑا کر دیں تب بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر مجھے ایسا یقین اور وثوق ہے کہ مَیں اِن چیزوں کو شعبدہ بازی سمجھوں گا۔ مَیں اِن کی بُت پرستی پر ہمیشہ اعتراض کروں گا اور اپنے اِس کام سے کبھی باز نہیں آ ؤں گا۔

آپ کا دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا

اِسی طرح آپؐ کو خدا تعالیٰ سے جو محبت تھی وہ ایک اور واقعہ سے بھی ظاہر ہے۔ دنیا میں موت آتی ہے تو لوگ اُس سے بچنے کی ہزاروں تدبیریں کرتے ہیں۔ مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام آئے تو ایک دن آپؐ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہے، اُس کو اُس کے خدا نے مخاطب کیا اور کہا اے میرے بندے! میں تجھے اختیار دیتا ہوں کہ چاہے تو دنیا میں رہ اور چاہے تو میرے پاس آجا۔ اِس پر اُس بندے نے خدا کے قرب کو پسند کیا۔ جب رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں مجھے اُن کا رونا دیکھ کر سخت غصہ آیا کہ رسول کریم ﷺ تو کسی بندے کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا میں رہے اور چاہے تو خدا تعالیٰ کے پاس چلا جائے اور اُس نے خدا تعالیٰ کے قرب کو پسند کیا، یہ بڈھا کیوں رو رہا ہے؟ مگر حضرت ابوبکرؓ کی اتنی ہچکی بندھی، اتنی ہچکی بندھی کہ وہ کسی طرح رُکنے میں ہی نہیں آتی تھی۔ آخر آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سے مجھے اِتنی محبت ہے کہ اگر خدا کے سِوا کسی کو خلیل بنانا جائز ہوتا تو مَیں ابوبکرؓ کو بناتا۔[۳۶] حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں کے بعد وفات پا گئے تو اُس وقت ہم نے سمجھا کہ ابوبکرؓ کا رونا سچا تھا اور ہمارا غصہ بیوقوفی کی علامت تھا۔[۳۷]

جذبہ شکر کی فراوانی

پھر بعض چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں مگر وہ اِس طرح دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں کہ جو شخص اُن باتوں کو دیکھتا یا سُنتا ہے وہ اُن چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی خدا تعالیٰ کی محبت کا نظارہ کئے بغیر نہیں رہتا۔

حدیثوں میں آتا ہے بعض دفعہ بادل آتے اور اُس کے موٹے موٹے قطرے گرتے تو آپؐ کمرہ سے باہر تشریف لاتے اپنی زبان باہر نکالتے اور اُس پر بارش کے اُن قطرات کو لیتے اور فرماتے میرے ربّ کی طرف سے اُس کی رحمت کا یہ تازہ قطرہ آیا ہے۔[۳۸] اَب یہ بظاہر کتنی چھوٹی سی بات ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے ہر تازہ انعام سے خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو لذت اندوز ہوتے تھے اور اُسے اپنی زندگی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

جذبۂ غیرت کا اظہار

پھر جس کے ساتھ انسان کو محبت ہوتی ہے اُس کے متعلق دل میں غیرت بھی پائی جاتی ہے اور درحقیقت غیرت علامت ہوتی ہے کامل تعلق کی۔ رسول کریم ﷺ کی غیرت جس شان کی تھی اُس کی مثال ہمیں دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ اِس غیرت کی ایک واضح مثال اُحد کا واقعہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اِس جنگ میں کچھ آدمی ایک درّہ پر مقرر کئے تھے اور اُن کو آپؐ نے یہ ہدایت دی تھی کہ تم نے اِس درّہ سے نہیں ہلنا۔ جب اِس جنگ میں کفّار کو شکست ہوئی تو انہوں نے قیاس سے کام لیا اور کہا رسول کریم ﷺ کا منشا آخر ہمیں یہاں کھڑا کرنے سے یہی تھا کہ ہم جنگ ختم ہونے تک کھڑے رہیں۔ اَب جبکہ کفّار کو شکست ہو چکی ہے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے ہم یہاں کیوں ٹھہریں۔ چنانچہ وہ بھی وہاں سے چل پڑے اور درّہ خالی ہو گیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید اُس وقت تک کافر تھے اور عکرمہؓ بن ابوجہل بھی کافر تھے اور یہ دونوں اپنی فوجوں کے جرنیل تھے۔ انہوں نے عمرو بن العاص کو کہ وہ بھی اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا فوج لیکر اِس طرف سے حملہ کر دو۔ چنانچہ یہ حملہ آور ہو گئے۔ وہاں چند مسلمان جو اِس وجہ سے رہ گئے تھے کہ رسول کریم ﷺ کا حکم ہمیں یہی تھا کہ ہم یہاں سے نہ ہلیں، اُن کو انہوں نے مار ڈالا اور جب مسلمان اپنی فتح کے یقین کے ساتھ اِدھر اُدھر پھیل چکے تھے اور اسلامی صفیں پراگندہ تھیں، انہوں نے یکدم پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مسلمان مارے گئے، بہت سے زخمی ہوئے اور بعض لوگ بھاگ نکلے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے بعض بھاگ کر مدینہ میں جا پہنچے۔ اِس جنگ میں ایک وقت ایسا آیا جب صرف ایک آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گیا۔ اور کسی وقت چھ، کسی وقت سات اور کسی وقت بارہ آدمی رسول کریم ﷺ کے اِردگرد رہ گئے، باقی سب منتشر ہو گئے تھے۔ اُس وقت کفّار نے یہ دیکھ کر کہ اَب رسول کریم ﷺ اپنے لشکر سے الگ ہیں اُن پر پتھر پھینکنے اور تیر برسانے شروع کر دیئے اور اِس قدر تیر برسائے کہ آپ بیہوش ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے اور پھر حفاظت کرنے والے صحابہؓ ایک ایک کر کے آپؐ پر گرنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے جسم پر کئی صحابہؓ کی لاشیں آ پڑیں اور عام طور پر یہی سمجھا گیا کہ شاید رسول کریم ﷺ بھی شہید ہو گئے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد جب مسلمان واپس

آئے اور آپؐ کے خاندان کی بعض مستورات بھی وہاں پہنچ گئیں تو نیچے سے رسول کریم ﷺ کو نکالا گیا۔ آپ اُس وقت بے ہوش تھے مگر تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ہوش آ گیا۔ وہ ایسے خطرے کا وقت تھا کہ مسلمانوں کے بچنے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ دشمن کا تین ہزار سپاہی میدان میں موجود تھا اور مسلمان بہت تھوڑے تھے اور چونکہ رسول کریم ﷺ بھی بے ہوش ہو کر گڑھے میں گر گئے تھے اس لئے کُفّار نے یہ سمجھا کہ رسول کریم ﷺ بھی شہید ہو گئے ہیں۔ اُس وقت ابوسفیان بہت خوش ہوا اور اُس نے بلند آواز سے کہا۔ بتاؤ اب محمد کہاں ہے؟ صحابہؓ جواب دینا چاہتے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو روک دیا۔ اِس پر اُس نے بڑے جوش سے کہا۔ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ اُس وقت فوراً جواب دینے لگے کہ رسول کریم ﷺ زندہ ہیں مگر رسول کریم ﷺ نے انہیں جواب دینے سے روک دیا۔ اور فرمایا کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے، چپ رہو۔ پھر اُس نے حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا اور کہا بتاؤ ابوبکرؓ کہاں ہے؟ حضرت ابوبکرؓ بولنا چاہتے تھے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی مت بولے۔ اِس پر پھر اُس نے بڑے جوش سے کہا ہم نے ابوبکرؓ کو بھی مار دیا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا بتاؤ عمرؓ کہاں ہے؟ حضرت عمرؓ کی زبان پر ابھی یہ الفاظ آنے ہی والے تھے کہ مَیں تمہارا سر توڑنے کے لئے موجود ہوں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خاموش رہو، اِس وقت بولنا مصلحت کے خلاف ہے۔ پندرہ بیس آدمی اِس وقت موجود ہیں اور وہ بھی زخمی اور دشمن تین ہزار کی تعداد میں ہے اِس وقت بولنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ اِس پر اُس نے بڑے جوش سے کہا ہم نے محمدؐ کو بھی مار دیا، ہم نے ابوبکرؓ کو بھی مار دیا، ہم نے عمرؓ کو بھی مار دیا۔ پھر اِس خیال سے کہ آخر ہمارا دین ہی سچا نکلا اور مسلمانوں کا دین جھوٹا ثابت ہوا وہ بلند آواز سے کہنے لگا۔ اُعْلُ ھُبُلْ۔ ہُبل دیوتا کی شان بلند ہو، ہُبل دیوتا کی شان بلند ہو کہ ہم نے توحید پرستوں کو مار دیا۔ اِس پر وہی محمد رسول اللہ ﷺ جو ایک انتہائی خطرہ کے مقام پر کھڑے تھے جنہوں نے ابوبکرؓ کو چپ کرا دیا تھا اور کہا تھا کہ مت کہو ابوبکرؓ زندہ ہے۔ جنہوں نے عمرؓ کو چپ کرا دیا تھا اور کہا تھا کہ مت کہو عمرؓ زندہ ہے۔ جنہوں نے خود اپنے متعلق صحابہؓ کو جواب دینے سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا مت کہو مَیں زندہ ہوں اِس وقت بولنا مصلحت کے خلاف ہے۔ وہ

بیتاب ہو گئے، آپ کی غیرت اِس بات کو برداشت نہ کر سکی اور آپ نے صحابہؓ سے فرمایا تم جواب کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ۔[۳۹] ہمارا خدا ہی سب سے بڑا ہے۔ ہمارا خدا ہی سب سے بڑا ہے۔

دیکھو! اِس واقعہ میں کیسا عجیب تقابل پایا جاتا ہے۔ سارے واقعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو اِس مقام کی نزاکت کا خوب احساس تھا۔ آپؐ کو علم تھا کہ اگر دشمن کو اِس بات کا پتہ لگا کہ ہم زندہ موجود ہیں تو ہماری جانوں کی خیر نہیں۔ اِسی وجہ سے وہ آپؐ کا نام لیتے تو آپؐ صحابہؓ کو چپ کرا دیتے اور فرماتے مت جواب دو۔ ابوبکرؓ کا نام لیتے ہیں تو آپ چپ کرا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں مت جواب دو۔ عمرؓ کا نام لیتے ہیں تو چپ کرا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں مت جواب دو۔ مگر اُسی حالت میں، اُسی موقع پر اور انہی لمحات میں جب وہی زخمی صحابہؓ میدان میں موجود ہیں، وہی دشمن کا تین ہزار کا لشکر سامنے پڑا ہے، جب کُفّار اپنے دیوتاؤں کا نام بلند کرتے ہیں تو آپؐ صحابہؓ سے فرماتے ہیں بولتے کیوں نہیں؟ کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ۔ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ ۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ محمد رسول اللہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے جو غیرت تھی وہ دنیا میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتی۔

مرض الموت میں توحید کے متعلق آپ کی بے چینی اور اضطراب

دوسری مثال اِس غیرت کی یہ ہے کہ جب رسول کریم ﷺ فوت ہونے لگے تو سخت بیماری کی حالت میں آپ کروٹیں بدلتے، کبھی دائیں طرف ہوتے اور کبھی بائیں طرف ہوتے اور فرماتے اللہ لعنت کرے یہود اور نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔[۴۰] آپ سمجھتے تھے کہ آپ کی موت اب قریب ہے اِس لئے آپ بار بار یہ الفاظ فرماتے اور اِس طرح صحابہؓ کو بتاتے کہ دیکھنا میری عظمت اور میری شان کو دیکھ کر کہیں میری طرف کوئی خدائی صفات منسوب نہ کر دینا۔ خدا کی شان اور اُس کی عظمت اُس کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہود اور نصاریٰ کی طرح تم میری طرف بھی کوئی خدائی صفت منسوب کر دو۔ یہ کرب، یہ اضطراب اور یہ گھبراہٹ آپ کے اندر کیوں تھی؟ اِسی لئے آپؐ کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ کسی شخص کو خدا کا شریک

ٹھہرایا جائے اور آپؐ ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ میری اُمت میں سے بھی کوئی اِس غلطی کا ارتکاب کرے اِسی لئے آپ بار بار ذکر فرماتے تھے مگر افسوس آج مسلمانوں میں ہی بعض ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب حاصل تھا یا اِسی قسم کی بعض اور خدائی صفات آپؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

آپ کا اپنے بیٹے کی وفات پر اعلان کہ سورج اور چاند گرہن کا کسی کی موت سے تعلق نہیں

غیرت کی تیسری مثال جو آپ کی زندگی میں ہمیں نظر آتی ہے اور جو ایک نہایت ہی لطیف مثال ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ کا صاحبزادہ ابراہیم فوت ہوا جو آپ کی آخری عمر کی اولاد تھے اور بڑی اُمیدوں کے بعد اور بہت دیر کے بعد پیدا ہوئے تھے تو طبعی طور پر صحابہؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ اِس خیال سے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی لڑکا تھا اور وہ بھی فوت ہو گیا۔ اتفاقاً اُسی دن سورج کو گرہن لگ گیا اور صحابہؓ نے کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس بات کا علم ہوا تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا خدا کے بندے بندے ہی ہوا کرتے ہیں، خدا نہیں ہوتے۔ سورج اور چاند گرہن خدا تعالیٰ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں، اُن کا کسی بندے کی موت سے کوئی تعلق نہیں۔[۴۲]

خشیت الٰہی

خشیت اللہ بھی ایمان کیلئے ایک لازمی چیز ہے۔ اِس کے بغیر انسان کا ایمان کبھی کامل نہیں ہوسکتا۔ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر جب اِس نقطۂ نگاہ سے غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خشیت اللہ آپ پر اس قدر غالب تھی اور اس قدر نمایاں طور پر آپ میں پائی جاتی تھی کہ اُس کو دیکھ کر انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک کامل نبی اور خاتم النبیین کے اندر اِسی قسم کی خشیت اللہ پائی جانی چاہئے۔

اوّل تو رسول کریم ﷺ کی نمازوں کو ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اِتنی رقت سے نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ بعض دفعہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی دیگ کے نیچے آگ جل رہی اور اُس کا پانی اُبل رہا ہے۔

پھر بعض دفعہ آپ گھر جاتے اور بستر پر آپ کو کوئی کھجور پڑی ہوئی نظر آتی تو اُسے کھانے لگتے مگر پھر خیال آتا کہ یہ کھجور کہیں صدقہ کی نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ مَیں غریبوں کا حق کھا جاؤں چنانچہ آپ کھجور کو اُسی طرح رکھ دیتے اور اپنے منہ میں نہ ڈالتے۔

اِسی طرح حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ صدقہ کی کچھ کھجوریں آئیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آپ کے دونواسے تھے اور یہ دونوں آپ کو بہت پیارے تھے کیونکہ آپ کی اور کوئی اولاد نہ تھی اِن دونوں کی اُس وقت دو دو تین تین سال کی عمر تھی اِن میں سے حضرت حسنؓ نے آتے ہی ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فوراً حضرت حسنؓ کے منہ میں سے کھجور نکال لی اور فرمایا یہ تمہارا حق نہیں یہ دوسروں کا حق ہے۔[۴۲]

اَب مَیں وہ اخلاق جو دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنے کے دوران میں انسان سے ظاہر ہوتے ہیں اُن کی بعض مثالیں بیان کر دیتا ہوں۔

اخلاقِ فاضلہ میں بلند ترین مقام

سب سے پہلے مَیں اخلاق فاضلہ میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصولی اخلاق بیان کرتا ہوں جو میرے نزدیک تمام اخلاق کی کنجی ہیں اور جن کا اس روایت میں ذکر آتا ہے جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اُس گواہی کا ذکر ہے جو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے متعلق دی۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو اِس خیال سے کہ اتنا بڑا کام مَیں کس طرح کرسکوں گا۔ ایسا نہ ہو مَیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کامیاب نہ ہوسکوں آپ سخت گھبرائے اور اسی گھبراہٹ کی حالت میں آپ اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ اُس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور یہ الفاظ کہے کہ کَلَّا وَ اللّٰہِ لَایُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا(۱)اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ (۲) وَتَحْمِلُ الْکَلَّ (۳)وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ (۴)وَتَقْرِی الضَّیْفَ (۵)وَتُعِیْنَ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ۔[۴۳] یعنی آپ گھبرائیں نہیں۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ ناکام ہوجائیں۔ آپ کے اندر پانچ عظیم الشان خصلتیں پائی جاتی ہیں اور ان نیک خصلتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ

آپ کو کبھی ناکام نہیں ہونے دے گا۔ چنانچہ وہ اِس کی تشریح کرتی ہیں اور کہتی ہیں اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ آپ وہ ہیں جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں وَتَحمِلُ الْکَلَّ اور جو لوگ کسی کام کے بھی قابل نہیں آپ اُن کے بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ اور وہ علوم اور اخلاق جو دنیا سے معدوم ہو گئے ہیں آپ اُن کو پیدا کرتے ہیں۔ وَتَقْرِی الضَّیْفَ اور آپ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ وَتُعِیْنُ عَلَی نَوَائِبِ الْحَقِّ اور جن لوگوں پر کوئی حقیقی مصیبت آجائے آپ اُن کی مدد کرتے ہیں۔

یہ وہ پانچ اصولی خوبیاں ہیں جن سے دنیا بس رہی ہے یا بس سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہی وہ نظام ہے جس کی دنیا کو ضرورت ہے۔

صلہ رحمی

صلہ رحمی میں افرادِ خاندان، قبیلہ، قوم اور مُلک سب شامل ہیں اور ہر ایک سے اُس کے درجہ اور مقام کے لحاظ سے حسنِ سلوک کرنا صلہ رحمی میں داخل ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رشتہ داروں سے تو حسنِ سلوک نہیں کرتے لیکن اگر کوئی غیر اُن کے پاس آجائے تو اُس کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ بھائی یا چچا آجائے تو اُس کے ساتھ خندہ پیشانی سے بات بھی نہیں کرتے اور غیر قوم والوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ انگریزی پڑھے ہوئے ہندوستانیوں میں خصوصیت سے یہ مرض پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی انگریز اُن سے ملے تو بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مگر جب کسی ہندوستانی سے بات کرنے لگیں تو کہتے ہیں ہم نہیں جانتے تُم کون ہو۔ اُس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کا ایک لفظ بھی اِن کے کانوں میں کبھی نہیں پڑا۔ اِسی طرح خواہ اُن کا اپنا رنگ بعض ہندوستانیوں کے مقابلہ میں ایسا ہی ہو جیسے چاند کے سامنے توا ہوتا ہے مگر وہ اُن سے بات کریں گے تو کہیں گے ''یو کالا لوگ ہے'' اِس کی وجہ یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں سے اپنی قوم کی محبت اُٹھ چکی ہوتی ہے اور صلہ رحمی مٹ چکی ہوتی ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تھے جو اپنوں اور بیگانوں ہر ایک سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ اُن کے دل میں قریبیوں کی بھی محبت تھی، پھر اُن سے جو بعید تھے اُن کی بھی محبت تھی، دوستوں اور تعلق رکھنے والوں کی بھی محبت تھی اور آپ ہر ایک کے ساتھ اُس کے مقام اور درجہ کے لحاظ سے محبت سے پیش آتے اور اُس کی خیر خواہی کرتے اور درحقیقت یہی وہ چیز ہے

جو دنیا میں امن قائم کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

مہمان نوازی اِس کے بعد دوسرا اصولی خُلق یہ ہے کہ وَتَقْرِی الضَّیْفَ باہر سے آنے والے مہمان کے ساتھ عزت کا سلوک کیا جائے اور اُس کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ لیکن مہمان نوازی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مہمان نوازی تو یہ ہے کہ لاہور سے کوئی مہمان آئے یا پشاور سے مہمان آئے تو ہم اُس کی مہمان نوازی کریں۔ یہ مہمان نوازی درحقیقت مہمان نوازی کی ایک ادنیٰ قسم ہے کیونکہ اس مہمان نوازی میں ایک یہ غرض بھی پوشیدہ ہوتی ہے کہ جب ہم لاہور یا پشاور جائیں گے تو یہ شخص ہماری مہمان نوازی کرے گا۔ پس یہ مہمان نوازی ایسی اعلیٰ نہیں۔ اِس سے بڑھ کر ایک اور مہمان نوازی یہ ہوتی ہے کہ یو۔ پی کا ہمارے ہاں کوئی مہمان آجائے یا سرحد سے ہمارے ہاں کوئی مہمان آجائے یا بنگال اور بہار سے ہمارے ہاں کوئی مہمان آجائے تو ہم اُس کی خدمت کریں۔ یہ مہمان نوازی پہلی مہمان نوازی سے زیادہ اعلیٰ ہے کیونکہ یو۔ پی یا سرحد یا بنگال یا بہار میں ہمیں جانے کا اتنا موقع نہیں مل سکتا جتنا لاہور یا پشاور جانے کا مل سکتا ہے لیکن پھر بھی یہ سب ہمارے ملک کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہم سے ایک قسم کا تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے اندر یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر آج یہ ہمارے پاس آئے ہیں تو ممکن ہے کبھی ہمیں بھی ان کے علاقہ میں جانا پڑے پس یہ مہمان نوازی کسی دوسرے وقت خود ہمارے ہی کام آسکتی ہے۔ لیکن ایک مہمان وہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے ملک کا ہوتا ہے۔ مثلاً آسٹریا کا کوئی باشندہ ہو یا کینیڈا کا کوئی باشندہ ہو جن کا مُلک اور ہے، جن کی زبان اور ہے، جن کے رسم ورواج اور ہیں، جن کی طرزِ معاشرت اور ہے، جن کی حکومت اور ہے ایسے ممالک کے رہنے والوں میں سے اگر کوئی شخص ہمارے ہاں آتا ہے اور ہم اُس کی مہمان نوازی میں حصہ لیتے ہیں تو یقیناً یہ مہمان نوازی زیادہ شاندار ہے کیونکہ ہم نے اُس شخص کی مہمان نوازی کی جس کے ہاں جانے کی ہمیں کوئی توقع ہی نہیں تھی۔

غرض دنیا میں مختلف قومیں اپنے مہمانوں سے مختلف سلوک کرتی ہیں۔ بعض قومیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی قوم والوں سے تو اچھا سلوک کرتی ہیں لیکن اگر کوئی غیر قوم والا اُن کے پاس چلا جائے تو اُس سے کوئی سلوک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ جیسے آسٹریلیا ہے یا ساؤتھ افریقہ

ہے یا یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ ہے یا برازیل وغیرہ ہیں۔ اِن ممالک کے باشندے اپنے ملک کے لوگوں سے یا اپنے ہمسایہ ممالک کے لوگوں سے تو حسن سلوک کرتے ہیں مگر دوسروں سے حسن سلوک نہیں کرتے مگر یہ مہمان نوازی بھی دراصل حقیقی مہمان نوازی نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کا سَودا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر آج ہم نے اُن کی خدمت کی ہے تو کل ہمیں ان کے ہاں جانا پڑے گا اور اُس وقت ہمیں ان کی خدمت کی ضرورت ہوگی۔ پس یہ تو ایک قسم کا سَودا ہے لیکن اگر ہم آسٹریلیا سے آنے والے کی مہمان نوازی کرتے ہیں یا یونائیٹڈ سٹیٹس سے آنے والے کی مہمان نوازی کرتے ہیں تو یہ حقیقی مہمان نوازی ہوتی ہے کیونکہ ہمیں اُس وقت یہ اُمید نہیں ہوتی کہ کسی وقت ہم بھی آسٹریلیا یا امریکہ میں اُس کے پاس جائیں گے پس مہمان نوازی مختلف اقسام رکھتی ہے۔ بعض ممالک ایسے ہیں جن کے افراد آج بھی اپنی خود داری کی وجہ سے غیر اقوام کے آدمیوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے۔ جیسے یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ ہے یا آسٹریا، جنوبی امریکہ اور روس وغیرہ ممالک ہیں۔ وہ جرمنوں سے اچھا سلوک کرنے کیلئے تیار ہیں، وہ اطالویوں سے اچھا سلوک کرنے کیلئے تیار ہیں، وہ انہیں دیکھیں گے تو ہاتھ ملائیں گے، اپنے گھر میں انہیں مہمان ٹھہرائیں گے لیکن ایک ہندوستانی کو دیکھتے ہی اُن کی ناک بھوں چڑھ جائے گی۔ بلکہ ریل کے ڈبہ میں اگر وہ اُن کے ساتھ ایک کوچ پر بھی بیٹھ جائے تو وہ اِس پر بھی بُرا منائیں گے کہ یہ ہندوستانی ہمارے کمرہ میں کیوں آ گیا اور کیوں ہمارے ساتھ بیٹھا۔

غرض مہمان نوازی میں مختلف قوموں کے مختلف اصول ہیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ تھے جن کی مہمان نوازی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص نہ تھی، اپنے ملک کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ جو بھی اجنبی خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملّت سے تعلق رکھنے والا ہو آپ کے پاس آتا، آپ اُس کی مہمان نوازی میں حصہ لیتے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اس کیلئے رستہ کھولا اور اپنی تعلیم سے بھی لوگوں کو مشورہ دیا کہ قومی تعصب مٹا دو سب لوگوں سے بِلا امتیاز مذہب وملت محبت و پیار کا سلوک کرو۔ ہر آنے والے کی مہمان نوازی کرو اور اِس طرح دنیا کی ترقی میں مدد دو۔

ناداروں اور معذوروں کی امداد

تیسری صفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تَحْمِلُ الْکَلَّ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ درحقیقت اِس کے بغیر بھی دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا تَحْمِلُ الْکَلَّ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص کسی کام کا نہ ہو اُس کی مدد کرنا۔ مثلاً لولے لنگڑے اور اندھے جو خود کام کرنے سے معذور ہوتے ہیں اُن کی مدد کرنا تَحْمِلُ الْکَلَّ کے مفہوم میں شامل ہے۔ اِسی طرح اگر کسی کے ماں باپ مر جائیں اور بچے یتیم رہ جائیں تو اُن بچوں کو تعلیم دلانا۔ یا جن کے لئے کمائی کرنے والا کوئی نہ رہا ہو اُن کی پرورش کرنا یہ بھی تَحْمِلُ الْکَلَّ میں شامل ہے۔ پس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ آپ وہ شخص ہیں کہ صرف اپنا بوجھ نہیں اُٹھاتے بلکہ اُن لوگوں کے بھی بوجھ اُٹھاتے ہیں جن کا بوجھ اُٹھانے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایک ایسی خوبی ہے جو قومی ترقی کا جزو اعظم ہے اور اس کے بغیر کبھی کوئی قوم اعلیٰ مدارج تک نہیں پہنچ سکتی۔

مَیں نے نظامِ نو کے متعلق جو تقریر کی تھی اور جو کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے، اُس میں مَیں نے اِسی امر کے متعلق توجہ دلائی تھی کہ قوم کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنی معذوری کی وجہ سے کمائی نہیں کر سکتے اُن کے لئے کھانا، کپڑا اور دوائی وغیرہ مہیا کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے وہ ہرگز کامیاب حکومت نہیں کہلاسکتی۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خوبی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یہ بیان فرماتی ہیں کہ آپ اُن لوگوں کی بھی مدد کیا کرتے تھے جو کسی کام کے نہیں ہوتے تھے۔

متوسط الحال مگر ضرورت مند طبقہ کی اعانت

ایک اور خوبی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کی ہے کہ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اُن کی مدد تو کر دیتے ہیں جو بالکل معذور ہوتے ہیں جیسے اندھے اور اپاہج وغیرہ لیکن وہ مصیبت زدہ لوگ جو کما تو سکتے ہیں لیکن پوری طرح نہیں کما سکتے اُن کی طرف وہ کوئی توجہ نہیں کرتے حالانکہ دنیا میں کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا بوجھ کسی حد تک تو اُٹھا لیتے ہیں لیکن پورا نہیں اُٹھا سکتے۔ ایسے مصیبت زدہ لوگوں کو دنیا میں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص پچاس روپے کما لیتا ہے لیکن

اُسے ضرورت ستّر روپوں کی ہوتی ہے ایسے لوگوں کو چونکہ دنیا کھاتا پیتا دیکھتی ہے اِس لئے اُن کی طرف اسے توجہ پیدا نہیں ہوتی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اتنی وسیع تھی کہ آپ اُن لوگوں کی تکالیف کو دور کرنے کی بھی کوشش کیا کرتے تھے جن کے پاس کچھ سامان ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسے لوگ بھی چاہتے ہیں کہ اُن کے بوجھ کو کوئی اور شخص آ کر اُٹھائے۔ وہ نہ تو اتنے لولے لنگڑے ہوتے ہیں کہ اپنا بوجھ نہ اُٹھاسکیں اور نہ اُن کا کندھا اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ سب بوجھ بغیر کسی تکلیف کے اُٹھاسکیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایسے لوگوں کی مدد فرمایا کرتے تھے جس کے بعد وہ اپنا بوجھ اُٹھانے کے قابل ہو جاتے اور تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ کے الفاظ میں حضرت خدیجہؓ نے ایسے ہی لوگوں کی مدد کا ذکر کیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایسے لوگ سُستی اور غفلت سے کام لینے والے نہ ہوں بلکہ وہ واقعہ میں مدد کے محتاج ہوں اور اگر بعض لوگ سُستی اور غفلت سے کام لیتے ہوں تو اُن کو کام پر مجبور کرنا حکومت اور قوم کا فرض ہے۔

قومی ترقی کیلئے نئے نئے راستوں کی تلاش

جب ان باتوں پر عمل کر کے قوموں میں ایک حد تک ترقی ہو جاتی ہے اور وہ اپنا اندرونی نظام قائم کر لیتی ہیں، صلہ رحمی اُن کا شیوہ ہو جاتا ہے، غریبوں اور یتیموں کی پرورش اُن میں شروع ہو جاتی ہے، غیر قوموں سے صلح اور حسنِ سلوک اُن کے طریق عمل میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت زدہ جو اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اُن کی مدد کا بھی انہیں خیال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک نظام کے ماتحت یہ تمام کام سرانجام دیتی ہیں تو پھر بھی وہ صحیح طور پر ترقی نہیں کرسکتیں جب تک ایک نئی خوبی اُن میں پیدا نہ ہو اور وہ خوبی وہی ہے جو تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں آج دنیا ترقی کی طرف جارہی ہے مگر اُس کی ترقی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نئے علوم ظاہر ہو رہے اور نئی نئی ایجادیں دنیا میں ہو رہی ہیں۔ ہر نیا علم دنیا کو ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے اور ہر نئی ایجاد دنیا کے ذہنی اور فکری قویٰ کو اور زیادہ جِلا دے دیتی ہے۔ اگر نئے علوم ظاہر نہ ہوں اور علمی لحاظ سے دنیا کسی مقام پر آ کر رُک جائے، اگر نئی ایجادیں نہ ہوں اور دنیا پرانی ایجادات تک ہی رُک جائے تو کبھی لوگوں کو ترقی حاصل نہ ہو اور کبھی اُن کے علمی اور دماغی قوی کو نئی قوت اور روشنی حاصل نہ ہو۔ پس

اخلاق فاضلہ اور علوم کو زندہ رکھنے کیلئے نئی نئی ایجادوں کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے اور وہ قومیں کبھی زندہ نہیں رہتیں جن میں نئے علوم اور ایجادات کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمِ کے الفاظ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِسی خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ چیزیں جو دنیا والوں کو آج معلوم نہیں آپ اُن کو بھی دریافت کر کے دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ گویا آپ کے ذریعہ دنیا میں ترقی اور ایجاد کا مادہ قائم ہے۔

نظامِ نو کا قیام یہ پانچ چیزیں ہیں جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اہلی زندگی کو بلکہ بین الاقوامی تعلقات کو ہمیشہ کیلئے درست کر دیا۔ جن کے کام میں کوئی روک تھی اُن کی روک کو دور کر کے آپ نے ملک میں کام کا راستہ کھولا۔ جو لوگ اپاہج یا کمانے کے ناقابل تھے اُن کے لئے معیشت کا پورا سامان جمع کیا اور پھر قوم میں آئندہ ترقی کا ہمیشہ کیلئے دروازہ کھول دیا۔ گویا یہ نظامِ نو ہو گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم فرمایا ہے۔

یہ پانچوں اخلاق جب کسی قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں وہ آپس میں حسنِ سلوک سے کام لیتی ہے، اپنے ہمسائیوں اور غیر ممالک والوں سے بھی حسنِ سلوک کرتی ہے، وہ ایسا انتظام بھی کرتی ہے جس کے ماتحت وہ لوگ جو کسی کام کے اہل نہ ہوں اُن کے لئے روزی کا سامان مہیا ہو جائے، وہ ایسا انتظام بھی کرتی ہے جس کے ماتحت وہ لوگ جو اپنی کچھ روزی کما سکتے ہیں اور کچھ نہیں کما سکتے اُن کی پریشانی بھی دور ہو جائے اور اُن کی بقیہ ضرورتیں پوری ہو جائیں وہ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمِ پر بھی عمل کرتی اور ملک میں یونیورسٹیاں قائم کرتی ہے تاکہ علوم میں ترقی ہو، ملک کی صنعت و حرفت میں ترقی ہو اور لوگ ان درسگاہوں سے تعلیم حاصل کر کے جب باہر نکلیں تو وہ دینی اور دُنیوی علوم میں نئی نئی تحقیقات سے کام لیں۔ وہ عِلْمُ الْاَخْلَاق کو ترقی دیں، وہ عِلْمُ الْاَدْیَان کو ترقی دیں، وہ عِلْمُ الْاَبْدَان کو ترقی دیں، وہ عِلْمُ الْحَیْوَانَات کو ترقی دیں، وہ عِلْمُ النَّفْس کو ترقی دیں۔ غرض نئے نئے علوم پیدا کریں اور نئی نئی ایجادات ملک کی ترقی کے لئے کریں تو بتاؤ اس قوم کے لئے پھر اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نبوت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے نظامِ نو کا بیج رکھ دیا تھا اور آپ کے اخلاق شروع سے ہی ایسے تھے جن پر آئندہ دنیا کا نیا نظام قائم ہونے والا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کی بعض مثالیں

اَب مَیں ذرا تفصیل سے بعض مثالیں دیتا ہوں جن سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قسم کے اخلاقِ فاضلہ دکھایا کرتے تھے۔

سب سے پہلی بات جو اخلاقِ فاضلہ سے تعلق رکھتی ہے اور جو درحقیقت نہایت ہی اہم اور ضروری ہے وہ سچائی ہے۔

سچائی کا بلند ترین معیار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے جس کے پاس کوئی اخلاقی کتاب نہیں تھی۔ مگر ایسی قوم میں پیدا ہو کر سچائی کا جو اعلیٰ معیار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا وہ نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ آپ میں سچائی ایسی اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی تھی کہ قوم میں آپ کا نام ہی صادق مشہور ہو گیا تھا اور لوگ بجائے آپ کے نام سے آپ کو پکارنے کے آپ کو صادق کے نام سے پکارا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے وہ صادق، وہ راست باز اور وہ سچا آدمی اِس طرح کہتا ہے۔ یہ خوبی آپ میں اِس قدر غالب تھی کہ دنیا میں آپ کو جاننے والا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آپ کے صدق پر شُبہ کر سکتا۔ خواہ بظاہر آپ انہونی بات ہی کیوں نہ کہہ دیتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کھڑے ہوئے اور قوم کے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا تم جانتے ہو مَیں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ انہوں نے اقرار کیا اور کہا کہ یہ بالکل ٹھیک ہے آپ نے آج تک کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے میری قوم کے لوگو! اگر مَیں تم سے یہ کہوں کہ ایک بڑا لشکر مکہ کے پاس پڑا ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری اِس بات کو تسلیم کر لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم مان لیں گے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ مکہ کے پاس کوئی لشکر چھپ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہاں اگر کوئی لشکر آئے تو ایک بچہ بھی اُسے دیکھ سکتا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جب یہ فرمایا کہ اگر مَیں یہ کہوں کہ مکہ کے دامن میں ایک بہت بڑا لشکر چھپا بیٹھا ہے اور وہ عنقریب تم پر حملہ کرنے والا ہے خود تم میں سے کوئی شخص اُس لشکر کو نہ دیکھے تو کیا تم میری اِس بات کو جو بظاہر بالکل ناممکن دکھائی دیتی ہے مان لوگے؟ انہوں نے کہا یقیناً ہم آپ کی بات مان لیں گے کیونکہ آپ وہ ہیں جنہوں نے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہی بات ہے اور تمہیں میری سچائی پر اس قدر اعتماد ہے تو مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے خدا نے یہ کہہ کر تمہاری طرف بھیجا ہے کہ مَیں تمہیں توحید کی طرف بُلاؤں۔ اِس پر لوگوں نے آپ کو جھوٹا کہنا شروع کر دیا۔[۴۴]

تو دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا معیار اتنا بلند تھا کہ آپ نے اپنی قوم کے سامنے ایک ایسی بات پیش کی جو کسی صورت میں بھی ممکن نہیں تھی۔ آپ نے کہا اگر مَیں تمہیں یہ کہوں کہ مکہ کے پاس ایک بہت بڑا لشکر چھپا بیٹھا ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری اِس بات کو مان لوگے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم ضرور آپ کی بات مان لیں گے۔ بیشک اُس لشکر کو ہم نہ دیکھیں، بے شک ہم میں سے ایک فرد بھی باوجود کوشش کے لشکر کو نہ دیکھ سکے لیکن چونکہ ہمیں آپ کی سچائی پر پورا یقین ہے اس لئے ہم اپنی آنکھوں کو جھوٹا کہہ لیں گے مگر آپ کو جھوٹا نہیں کہیں گے۔ مگر باوجود اِس کے انہوں نے آپ کے دعویٰ کو نہ مانا۔ بہرحال اِس سے اِتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ مکہ والوں نے سچائی کے معیار میں آپ کو ایسے عظیم الشان مقام پر دیکھا تھا کہ آپ خواہ کوئی بات کہیں اُس کا انکار اُن کے لئے بالکل ناممکن تھا۔

مَیں نے بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو جو خوبیاں پائی جاتی ہیں جب تک ہم اُن تمام خوبیوں کو اپنے اندر پیدا نہ کرلیں اور جب تک ہم اپنے اپنے دائرہ میں ایک چھوٹے محمد نہ بن جائیں اُس وقت تک ہم کبھی نجات نہیں پا سکتے۔ اِسی طرح ہمارے اندر جب تک ویسی ہی سچائی کی طاقت پیدا نہیں ہو جاتی جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر پائی جاتی تھی اُس وقت تک ہم کسی صورت میں بھی نجات اور خدا تعالیٰ کے فضل کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

جھوٹ کے متعلق اُمت کو انتباہ رسول کریم ﷺ کو صداقت کا اِس قدر خیال تھا کہ ابی بکرہ روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے

ایک دفعہ صحابہؓ کو فرمایا اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ۔اے میرے صحابہؓ! کیا مَیں تمہیں اُن گناہوں کی خبر نہ دوں جو سب سے بڑے ہیں۔صحابہؓ نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ضرور بتایئے آپؐ نے فرمایا۔ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ سب سے بڑا گناہ خدا تعالیٰ کا کسی کو شریک قرار دینا ہے۔ پھر فرمایا۔ وَعَقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک اور بڑا گناہ یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی کی جائے، اُن کو دُکھ دیا جائے اور اُن کی باتوں کو نہ مانا جائے۔ یہ کہہ کر آپؐ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ وَکَانَ مُتَّکِئًا۔ اِس سے پہلے آپؐ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور پھر بڑے زور سے فرمایا۔ اَلَا وَقَوْلَ الزُّوْرِ۔ اَلَا وَقَوْلَ الزُّوْرِ۔ اَلا وَقَوْلَ الزُّوْرِ۔[۴۵] کان کھول کر سُن لو کہ پھر بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے، پھر بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے، پھر بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ پھر رسول کریم ﷺ نے بڑے درد اور کرب سے اِس بات کو اتنی بار دُہرایا کہ ہمیں آپ کی تکلیف کا شدید احساس ہوا اور ہم نے اپنے دل میں خیال کرنا شروع کیا کہ کاش! رسول کریم ﷺ اَب خاموش ہو جائیں، کیونکہ ہم نے آپؐ کی بات خوب سمجھ لی ہے۔

مگر کتنے ہیں جو آج سچائی کو وہ اہمیت دیتے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دی۔ ہم تو دیکھتے ہیں لوگ ذرا ذرا سی بات پر جھوٹ بول لیتے ہیں اور اِس بات کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے کہ اسلام نے سچائی کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے سچائی کو بہت حد تک اپنے معاملات میں ملحوظ رکھتی ہے لیکن پھر بھی ابھی ایک طبقہ ایسے لوگوں کا پایا جاتا ہے جو جھوٹ سے نفرت نہیں کرتا بلکہ بعض لوگ میرے سامنے آ کر بھی بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں واقعہ ہوا تو یوں ہے مگر میرے پاس فلاں شخص اِس کے متعلق کچھ دریافت کرنے آیا تو مَیں نے اُسے کہہ دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ مَیں اُس وقت حیرت سے اُس کے منہ کو دیکھتا ہوں کہ یہ خلیفۂ وقت کے سامنے جب جھوٹ بول رہا ہے تو پھر دوسرے لوگوں کے سامنے یہ کس قدر جھوٹ بولتا ہوگا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے اِس قدر نفرت تھی کہ آپ نے درد کے ساتھ اِس فقرہ کو اِتنا دُہرایا اِتنا دُہرایا کہ صحابہؓ کہتے ہیں ہم نے اپنے دل میں کہا خدایا! رسول کریم ﷺ اَب خاموش ہو جائیں آپؐ کی تکلیف ہم سے دیکھی نہیں جاتی۔

رسول کریم ﷺ کی دیانت وامانت کا شہرہ اخلاقِ فاضلہ میں سے ایک اور خُلق امانت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امانت میں بھی اِتنا اعلیٰ درجہ حاصل تھا کہ مکّہ کے لوگ آپ کو امین کہتے تھے۔ آپ کی امانت کی تاریخ میں جو مثالیں پائی جاتی ہیں اُن میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنا مال دے کر تجارت کی غرض سے شام کی طرف بھیجا تو چونکہ آپ کی تمام تر توجہ اِس بات کی طرف رہتی تھی کہ دیانت داری کے ساتھ کام کیا جائے اور اِس غرض کے لئے آپؐ اپنی طرف سے پورا زور لگایا کرتے تھے اِس لئے آپ نے اُن کے مال کی ایسی نگرانی کی کہ تجارت میں غیر معمولی نفع ہوا اور آپ نہایت کامیاب ہو کر اِس سفر سے واپس تشریف لائے۔ حضرت خدیجہؓ کا پہلا تجربہ یہ تھا کہ جو لوگ اُن کا مال لے کر تجارت کے لئے جایا کرتے تھے وہ بد دیانتی سے کام لیتے تھے لیکن رسول کریم ﷺ نے نہ خود کوئی مال لیا اور نہ کسی اور ملازم کو لینے دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپ تجارت سے واپس آئے تو وہ غلام جو آپ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ نے بھجوائے تھے انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا کہ اِس شخص سے بڑھ کر نیک اور دیانت دار شخص ہم نے عمر بھر میں کوئی نہیں دیکھا۔[۶۴] یہی وہ گواہی تھی جس کی بناء پر حضرت خدیجہؓ نے خود خواہش کر کے آپؐ سے شادی کی حالانکہ وہ ایک بہت بڑی مالدار عورت تھیں اور رسول کریم ﷺ اُس وقت کے لحاظ سے بالکل مفلس تھے۔

رسول کریم ﷺ کا اعلیٰ درجہ کا حلم حلم بھی اخلاقِ فاضلہ میں سے ایک عظیم الشان خلق ہے۔ یعنی لوگوں کو معاف کرنا اور اُن سے نرمی اور محبت کے ساتھ پیش آنا۔ اِس خلق کے لحاظ سے بھی رسول کریم ﷺ نے ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے کہ آج اُس کی نظیر پیش کرنا ناممکن ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صدقہ وخیرات تقسیم کر رہے تھے کہ تقسیم کرتے کرتے جس قدر مال آپؐ کے پاس آیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ جب سب مال تقسیم ہو چکا تو ایک بدوی آیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا لایئے مجھے بھی کچھ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اَب میرے پاس کچھ نہیں جس قدر مال آیا تھا وہ مَیں تقسیم کر چکا ہوں۔ وہ آخر بدوی تھا، ایمان اُسے حاصل

نہیں تھا اُس نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اُسے مروڑنا شروع کر دیا کہ میرا حصہ ہے یا نہیں؟ یہاں تک کہ آپؐ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ مگر آپؐ نے سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہا کہ دیکھو! مَیں بخیل نہیں اگر میرے پاس مال ہوتا تو مَیں تمہیں ضرور دے دیتا۔ ۴۷ اِس واقعہ کی اہمیت اُس وقت اَور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلوک بدوی نے آپ سے اُس وقت کیا جب آپؐ عرب کے بادشاہ تھے۔ آج کسی انگریز کے چپڑاسی سے بھی اِس قسم کی بات کہو تو وہ فوراً دوسرے کو پیٹنا شروع کر دے گا اور کہتا جائے گا تم نہیں جانتے مَیں ہوں کون، حالانکہ وہ ہوتا چپڑاسی ہے۔

اِسی طرح آپؐ ایک دفعہ صدقہ وخیرات تقسیم کر رہے تھے کہ ایک شخص نے جسے یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھے کم حصہ ملا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور کہا آپ ظلم کر رہے ہیں۔ صحابہؓ اِس بات کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تلوار نکال لی کہ ابھی مَیں اِس کو قتل کرتا ہوں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِسے کچھ نہ کہو۔ ۴۸

غیر مذاہب کے پیرؤوں کے جذبات کا احترام

دوسروں کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا بھی ایک بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ انسان جب کسی دوسرے انسان کے پاس جائے تو طبعی طور پر اِس سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اُس سے کوئی ایسا سلوک نہ کرے جس کے نتیجہ میں اُسے دُکھ پہنچے مگر سوال یہ ہے کہ آج کتنے لوگ ہیں جو اِس کا خیال رکھتے ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ کسی سے ذرا سا بھی کوئی ایسا کام ہو جائے جو دوسرے کے منشاء کے خلاف ہو تو وہ فوراً چڑ جاتا ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ کچھ عیسائی آئے اور مسجد میں آپؐ سے مذہبی مسائل پر بحث کرتے رہے۔ اُس روز اتوار کا دن تھا جب اُن کی عبادت کا وقت آیا تو انہوں نے کہا اَب ہم مسجد سے باہر جاتے ہیں تاکہ اپنے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجدیں خداتعالیٰ کی عبادت کے لئے ہی ہوتی ہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں، اِسی جگہ عبادت کر لیں۔ ۴۹

یہ وہ رواداری ہے جس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونہ دکھایا اور جس کے ماتحت ہمارے لئے

بھی یہی ہدایت ہے کہ اگر غیر مذہب کا کوئی پیرو ہماری مساجد میں اپنے رنگ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہے تو وہ بیشک کرلے، اِس میں کسی قسم کی روک نہیں۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک ہم میں اِس کا پورا احساس پیدا نہیں ہوا اور ایسی اعلیٰ تعلیم کے ہوتے ہوئے ہم میں سے بعض ایسی تنگ دلی کا اظہار کرتے ہیں جو نہایت قابل تعجب ہوتی ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ایک ایسا ہی واقعہ ہوا جس سے مجھے بہت ہی تعجب ہوا اور مَیں نے سمجھا کہ ابھی تک ہمارے اندر غیر مذاہب والوں سے حُسنِ سلوک کا وہ جذبہ پیدا نہیں ہوا جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ سندھ کی زمینوں کے کام کے لئے ہمیں مختلف قسم کے ماہرین کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ بیشک قومی کام ہونے کی وجہ سے ہم احمدیوں کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اگر اپنے فن میں ماہر احمدی نہ مل سکیں تو پھر مجبوراً غیر اقوام کے لوگوں کو ملازم رکھنا پڑتا ہے۔ اِسی سلسلہ میں ہم نے ایک سکھ کو ملازم رکھ لیا کیونکہ وہ اپنے فن میں ماہر تھا مگر مجھے تعجب ہوا کہ ایک احمدی نے مجھے لکھا کہ اگر آپ سکھ ملازم رکھنے لگے تو پھر ہمارے لئے کام کرنا مشکل ہے۔ مَیں نے اُسے لکھا کہ اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو پھر بے شک آپ تشریف لے جایئے ہمیں آپ کی ضرورت نہیں۔ ہم تو لوگوں کو یہ سکھاتے سکھاتے تھک گئے کہ سب مذاہب والوں کو اپنا بھائی سمجھو اور کام کرنے کے لحاظ سے اگر تمہیں ایک انگریز بلکہ ایک چوہڑے کے ماتحت بھی کام کرنا پڑتا ہے تو بیشک کرو۔ مگر حالت یہ ہے کہ بعض احمدیوں کو یہ بھی بُرا لگتا ہے کہ کسی سکھ کو کیوں ملازم رکھ لیا گیا ہے۔ پس ابھی اپنی جماعت کے اندر بھی یہ کامل احساس پیدا کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہوئے لیکن رسول کریم ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ کے پاس عیسائی آتے ہیں، وہ لوگ آتے ہیں جن سے روزانہ آپ کی لڑائیاں رہتی ہیں مگر جب وہ عبادت کرنے کے لئے باہر جانے لگتے ہیں تو آپؐ انہیں منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں آپ باہر کیوں جاتے ہیں یہیں عبادت کر لیجئے۔

ایک بدوی کے ساتھ ملاطفت

اِسی طرح ایک دفعہ ایک بدوی آیا اُسے پتہ نہ تھا کہ مسجد میں پیشاب کرنا منع ہے وہ آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگ گیا۔ صحابہؓ ڈنڈے لے کر اُٹھے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا اِسے کچھ نہ کہو، اِس کا پیشاب رُک جائے گا۔ اِس بیچارے کو کیا پتہ کہ یہاں پیشاب کرنا منع ہے۔ آرام

سے بیٹھو اور اِسے پیشاب کر لینے دو جب وہ پیشاب کر کے چلا گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اَب لوٹے بھرو اور پیشاب کی جگہ پانی بہادو، جگہ صاف ہو جائے گی۔[۵۰]

تو دیکھو رسول کریم ﷺ نے اُس کے جذبات اور احساسات کا کیسا خیال رکھا کہ صحابہؓ کو منع کرنے بھی نہ دیا اِس خیال سے کہ وہ دوسروں کے سامنے ذلیل اور شرمندہ ہوگا۔

ڈھولک کے گیت پر رسول کریم کا حکیمانہ طریق عمل

اِسی طرح حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ آپؐ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس مدینہ کی دو لڑکیاں آئیں اور انہوں نے ڈھولک کے ساتھ کوئی گیت گانا شروع کر دیا۔ اوپر سے حضرت ابوبکرؓ آ گئے انہوں نے ڈانٹا کہ یہ کیا کر رہی ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور اُن کے سامنے یہ شیطانی کام کرتی ہو مگر رسول کریم ﷺ نے اُن سے کچھ نہیں کہا۔ آپؐ نے صرف اِتنا کیا کہ چارپائی پر لیٹے لیٹے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ رسول کریم ﷺ کا کیا منشاء ہے۔ چنانچہ جب رسول کریم ﷺ کو نیند آنے لگی تو وہ فرماتی ہیں مَیں نے لڑکیوں کو اشارہ کیا کہ اَب چلی جاؤ۔[۵۱] چنانچہ وہ اُٹھ کر چلی گئیں۔

اَب دیکھو یہ اَمر بظاہر رسول کریم ﷺ کی شان کے خلاف تھا اور کہنے والوں نے یہی کہنا تھا کہ رسول کریم ﷺ ڈھولک کے ساتھ گانا سُنتے ہیں۔ مگر آپؐ نے اُن لڑکیوں کا دل رکھنے کے لئے خاموشی اختیار کی اور ایسا طریق اختیار کیا جس سے حضرت عائشہؓ بھی سمجھ گئیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا منشاء ہے اور اُن لڑکیوں کا دل بھی نہ دُکھا۔

رسول کریم ﷺ کی رحم دلی

رحم بھی بڑی اعلیٰ درجہ کی صفت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔ چنانچہ فتح مکہ اِس کا ایک روشن ترین ثبوت ہے۔ فتح مکہ میں جو کچھ ہوا اُس کی تفصیل کو مَیں چھوڑتا ہوں۔ مَیں اِس وقت ایک اور مشہور واقعہ بیان کر دیتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دفعہ ایک قبیلہ کے چند لوگ حملہ کر کے رسول کریم ﷺ کی اونٹنیاں لے گئے۔ اُن اونٹنیوں کی حفاظت کیلئے جو نوکر مقرر تھا وہ دَوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ !

کچھ لوگ حملہ کر کے آئے تھے اور وہ آپؐ کی اونٹنیاں چُرا کر لے گئے ہیں۔ اَکْوَعؓ ایک صحابیؓ تھے وہ اُس وقت اکیلے وہاں موجود تھے اور اونٹنیوں کو لے جانے والے بہت زیادہ تھے مگر وہ یہ سُنتے ہی اونٹنیاں واپس لانے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے آواز دی کہ کوئی اور شخص بھی مدد کے لئے آئے مگر اُس وقت کوئی شخص نہ پہنچا اور وہ اکیلے ہی چل پڑے۔ وہ تھے تو اکیلے لیکن چونکہ تیرانداز تھے اِس لئے وہ درختوں کے پیچھے چُھپ کر اُن پر تیر چلا دیتے جس سے وہ زخمی ہو جاتے۔ اِس طرح انہوں نے کئی میل تک اُن کا تعاقب کیا اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اُن پر اِس قدر تیر برسائے کہ آخر وہ زخمی ہونے کی وجہ سے اونٹنیوں کو سنبھال نہ سکے اور اکوعؓ تمام اونٹنیاں چھڑا کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ جب وہ رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وہ لوگ سخت پیاسے تھے اور وہ اونٹنیوں کا دودھ پینے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر جب بھی وہ دودھ پینے لگتے مَیں انہیں تیر مار کر زخمی کر دیتا اور اِس طرح سب کو ناکارہ کر کے مَیں اونٹنیاں چھڑا لایا ہوں۔ اَب آپؐ کچھ آدمی بھجوا دیجئے وہ زیادہ دُور نہیں ہیں، دس بارہ میل کے اندر ہیں اور زخموں کی وجہ سے وہ بھاگ بھی نہیں سکتے۔ اِس لئے اُن کو آسانی کے ساتھ گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اَکْوَع! ہمیں اپنا مال تو مِل گیا اَب اُن غریبوں کو تم کیوں دُکھ دیتے ہو، انہیں جانے دو تعاقب کی ضرورت نہیں۔[۵۲]

دیکھو! یہ رحم دلی کی کیسی شاندار مثال ہے۔ اُس صحابیؓ کو جوش ہے اور وہ کہتا ہے کہ اُن کو ضرور گرفتار کرنا چاہئے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ پیاسے اور زخمی ہیں اِس وجہ سے بھاگ نہیں سکتے بڑی آسانی سے گرفتار ہو سکتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہماری چیز تو ہمارے پاس آ گئی، اَب تعاقب کی کیا ضرورت ہے۔

اِسی طرح ایک اور واقعہ بھی جو غیر معروف ہے رسول کریم ﷺ کے جذباتِ رحم کو نمایاں کرتا ہے۔

ایک دفعہ آپؐ ایک انصاری کو ملنے کے لئے گئے اور اُس سے کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ جب واپس آنے لگے تو اُس نے گھوڑے پر کاٹھی ڈال دی اور رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپؐ اِس گھوڑے پر سوار ہو کر واپس تشریف لے جائیں۔ پھر اُس نے اپنے ایک عزیز کو جس کا

نام قیس تھا بُلایا اور کہا تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤ اور آپ کو اپنے گھر چھوڑ آؤ۔ جب رسول کریم ﷺ باہر نکلے تو آپ نے اُس سے فرمایا قیس! یہ تو بُرا لگتا ہے کہ مَیں سواری پر بیٹھوں اور تم میرے ساتھ پیدل چلو۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَیں تو اِسی طرح جاؤں گا، مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ مَیں آپ کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ جاؤں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیس! یا تو تمہیں میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہونا پڑے گا اور یا پھر واپس چلے جاؤ۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوسکتا کہ مَیں گھوڑے پر سوار رہوں اور تم پیدل ساتھ چلو۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! پھر مجھے اجازت دیجئے کہ مَیں واپس چلا جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا بہت اچھا تم واپس جاسکتے ہو، چنانچہ وہ واپس چلا گیا۔۵۳؎

اِس واقعہ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کسی دوسرے کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ رحم آپؐ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور آپؐ کے لئے کسی کو تکلیف کی حالت میں دیکھنا بالکل ناقابلِ برداشت تھا۔

جانوروں پر شفقت

اِسی طرح رسول کریم ﷺ نے جانوروں پر بھی رحم کیا۔ لوگ جب جانوروں کو داغ دیا کرتے تھے تو اُن کی گردن یا مُنہ پر داغ دیا کرتے تھے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے اِس سے منع فرمایا اور ہدایت کی کہ آئندہ مُنہ یا گردن کی بجائے جانوروں کی پیٹھ پر داغ دیا جائے کیونکہ اُن میں بھی جان ہوتی ہے اور مُنہ پر داغ لگانے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔۵۴؎

عدل وانصاف کے چند واقعات

انصاف بھی اخلاقِ فاضلہ میں سے ایک بہت بڑا خلق ہے اور رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اِس کی بھی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مَیں صرف ایک مثال بیان کر دیتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو رسول کریم ﷺ کے چچا تھے، وہ بدر کی جنگ میں قید ہو گئے۔ اُس زمانہ میں چونکہ ہتھکڑیاں نہیں ہوتی تھیں اس لئے قیدیوں کو رسیوں کے ساتھ مضبوطی سے جکڑ کر کسی ستون یا لکڑی کے کھونٹے کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ حضرت عباسؓ کو بھی اِسی طرح رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ چونکہ گرہیں سخت تھیں اور حضرت عباسؓ ناز ونعم میں پلے ہوئے تھے

اِس لئے تمام رات اُن کے کراہنے کی آواز آتی رہی۔ رسول کریم ﷺ کو اُن کے کراہنے کی وجہ سے نیند نہ آئی اور صحابہؓ نے یہ دیکھا کہ آپ کبھی دائیں کروٹ بدلتے ہیں اور کبھی بائیں۔ صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اِس کی وجہ سے انہوں نے فوراً آپس میں مشورہ کیا کہ رسول کریم ﷺ کو آج نیند نہیں آ رہی اور اِس کی وجہ غالباً حضرت عباسؓ کا کراہنا ہے۔ ایک صحابیؓ کہنے لگا تم چُپ رہو، مَیں عباسؓ کی رسیاں ڈھیلی کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور اُس نے حضرت عباسؓ کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ رسیوں کے ڈھیلا ہوتے ہی اُن کے کراہنے کی آواز بند ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب رسول کریم ﷺ کو حضرت عباسؓ کی آواز نہ آئی تو آپ نے فرمایا عباسؓ کے کراہنے کی آواز کیوں نہیں آتی؟ صحابہؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم نے اُن کی رسیاں ڈھیلی کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تو مناسب نہیں یا تو سب قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دو اور یا پھر عباسؓ کی رسیاں بھی سخت کر دو۔ ۵۵

یہ وہ لوگ تھے جو تلواریں لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے نکلے تھے مگر باوجود اِس کے کہ وہ مسلمانوں کے قتل کے ارادہ کے ساتھ اپنے گھروں سے نکلے تھے جب مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے تو رسول کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ عباسؓ میرا چچا ہے اِس کی رسیاں بے شک ڈھیلی کر دو اور باقی قیدیوں کی رسیاں سخت رکھو بلکہ آپؐ نے فرمایا یا تو سب کی رسیاں ڈھیلی کر دو اور یا پھر عباسؓ کی بھی سخت کر دو۔

اِسی طرح حضرت عباسؓ کی قید کے بعد صحابہؓ رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم آپؐ سے کچھ مانگنے آئے ہیں۔ ہماری ایک بہن کا بیٹا عباسؓ ہے، اس کا فدیہ معاف کر دیا جائے (جنگ بدر میں کُفّار کے جس قدر آدمی قید ہوئے تھے اُن کے متعلق یہ فیصلہ ہوا تھا کہ وہ فدیہ دیکر رہا ہو سکتے ہیں) رسول کریم ﷺ نے فرمایا یا تو سب کا فدیہ معاف کر دیا جائے اور یا اِن سے بھی فدیہ وصول کیا جائے۔ ۵۶

یہ وہ انصاف تھا جو رسول کریم ﷺ کے اندر پایا جاتا تھا۔ اِدھر صحابہؓ کا کمالِ ادب دیکھو کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ کے چچا عباسؓ کا فدیہ ہم معاف کرانے کے لئے آئے ہیں کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ رسول کریم ﷺ پر کوئی احسان کر

رہے ہیں بلکہ یہ درخواست کی کہ ہماری بہن کا ایک بیٹا عباسؓ ہے اُس کا فدیہ معاف کر دیا جائے اور ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اُن سے فدیہ وصول نہ کریں۔

بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے تڑپ

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آپؐ کے دل میں جو تڑپ پائی جاتی تھی وہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۵۷ سے ظاہر ہوتی ہے۔

اِسی طرح بخاری میں آتا ہے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ نے اُن سے فرمایا عبداللہ! کچھ قرآن شریف پڑھ کر سُناؤ۔ انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وحی آپ پر نازل ہوتی ہے اور قرآن مَیں آپؐ کو پڑھ کر سُناؤں آپ نے فرمایا ہاں مجھے دوسروں سے قرآن سُننے میں مزا آتا ہے۔ انہوں نے سورۃ نساء کی چند آیتیں پڑھ کر سُنائیں۔ جب وہ اِس آیت پر پہنچے کہ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی اُس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک جماعت میں سے ایک ایک گواہ لائیں گے اور تجھے اِن لوگوں کے متعلق بطور شاہد پیش کریں گے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں مجھے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔ جب مَیں نے آپؐ کی طرف نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے۔ مَیں ابھی بتا چکا ہوں کہ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو لوگوں کے سامنے کھڑا کرے گا اور فرمائے گا یہ وہ نمونہ ہے جس کی نقل کرنے کے لئے مَیں نے اِسے دنیا میں بھیجا تھا۔ آج اگر تم اِس نمونہ کے مطابق نظر آئے تو تم جنت میں داخل کر دیئے جاؤ گے ورنہ اِس نمونہ کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں تمہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن کریم پڑھتے پڑھتے اِس مقام پر پہنچے تو رسول کریم ﷺ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ نہ معلوم کتنے لوگ ہوں گے جو اِس تعلیم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے دوزخ میں گرا دیئے جائیں گے۔ کیسی عظیم الشان نعمت تھی جو اُن کے سامنے پیش کی گئی مگر پھر کس قدر لوگ ہیں جو تعصّب یا جہالت یا غصہ کی وجہ سے اِس نعمت سے محروم ہو گئے اور وہ خدا تعالیٰ کے ابدی انعامات کو حاصل نہ کر سکے۔ اِس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، رِقّت آپؐ پر غالب آ گئی اور آپؐ نے فرمایا

آگے نہ پڑھو اَب مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا۔[۵۸]

عورتوں سے حُسنِ سلوک کی تعلیم

چونکہ عورتیں بھی اِس وقت تقریر سُن رہی ہیں۔ اِس لئے مَیں اَب عورتوں سے حُسنِ سلوک کے متعلق رسول کریم ﷺ کی تعلیم میں سے چند باتیں بیان کر دیتا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے حُسنِ سلوک کرنے کے متعلق ایک نہایت ہی لطیف بات بیان فرمائی ہے۔ نادان اِس پر اعتراض کرتے اور اُسے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم ﷺ کی جہالت قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے کہ اُس سے بہتر ناممکن ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے لوگو! عورتوں سے زیادہ سختی کا معاملہ نہ کیا کرو۔ کیونکہ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ [۵۹] وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر تم زیادہ زور دو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی سیدھی نہیں ہو سکے گی۔

نادان دشمن اعتراض کرتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عورت کو پسلی سے پیدا شدہ قرار دیا ہے اور یہ امر واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ حالانکہ خُلِقَ مِنْ فُلَانٍ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے اور اِس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں مادہ اُس میں رکھا گیا ہے۔ پس خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ کے یہ معنی نہیں کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے بلکہ اِس کے معنی یہ ہیں کہ عورت پسلی کی شکل میں پیدا کی گی ہے۔ اَب دیکھ لو پسلی کی شکل میں عورت کو پیدا کرنا کتنا لطیف استعارہ بن جاتا ہے۔ انسانی جسم میں پسلیاں ہی ایک ایسی چیز ہیں جو دل کی طرف مُنہ کر کے جُھکی ہوئی ہوتی ہیں اور پھر وہ جسم میں ایک علیحدہ حصہ بھی نظر آتی ہیں۔ پس خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ میں رسول کریم ﷺ نے عورت کے ساتھ انسان کے تعلق کی مثال بیان فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ تم عورت سے تعلق رکھتے وقت پسلی کی مثال کو اپنے سامنے رکھا کرو۔ پسلی اگر ایک طرف پوری طرح جُھکی ہوئی ہوتی ہے اور اُس کا رُخ انسانی قلب کی طرف ہوتا ہے تو دوسری طرف وہ جسم میں ایک علیحدہ وجود بھی نظر آتی ہے۔ گویا ایک ہی وقت میں دونوں باتیں اُس میں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ جسم کے ساتھ بھی پیوست ہوتی ہے اور اس کا ہر حصہ علیحدہ علیحدہ بھی نظر آتا ہے۔ پس درحقیقت اِس مثال میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور عورت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے اور

عورت کو پسلی سے مشابہہ قرار دے کر اُس سے حسنِ سلوک کرنے کی طرف نہایت لطیف پیرایہ میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ غور کر کے دیکھ لو دنیا میں جس قدر رشتے پائے جاتے ہیں اُن میں سے صرف عورت کا ہی ایک ایسا رشتہ ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنے خاوند کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتی ہے اور دوسری طرف اگر اُسے الگ کر و تو وہ الگ بھی ہو جاتی ہے۔ ماں بیٹی کا رشتہ کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا، باپ بیٹے کا رشتہ کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا، بھائی بھائی کا رشتہ کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا لیکن خاوند اور بیوی کا رشتہ ایسا ہے کہ وقت آنے پر وہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ بسا اوقات ایک میاں بیوی میں اس سے بھی زیادہ محبت ہوتی ہے جتنی ماں باپ کو اپنے بیٹوں سے محبت ہوتی ہے۔ خاوند بیوی پر جان قربان کرتا ہے اور بیوی خاوند پر فدا ہوتی ہے اور وہ اِس طرح اپنے خاوند کی طرف جُھکی ہوئی ہوتی ہے جیسے پسلیاں دل کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور اگر اُس پر زیادہ سختی کرو تو وہ علیحدہ ہو جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے جسم کا ٹکڑہ ہی نہ تھی۔

پس اِس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اِس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ خاوند اور بیوی کے تعلقات جہاں بے انتہا محبت پر مبنی ہوتے ہیں وہاں یہ تعلق ایسا نازک بھی ہے کہ بعض اوقات آپس میں نفرت بھی پیدا ہو جایا کرتی ہے اِس لئے عورتوں پر زیادہ سختی نہ کیا کرو۔ بیشک عورت کی اصلاح کی کوشش کرو لیکن ایسا نہ ہو کہ تمہاری سختی کی وجہ سے عورت کا دل تمہاری طرف سے پھر جائے اور وہی جو تم پر جان دیتی تھی تمہیں چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے۔

عورتوں کے متعلق آپ کا عملی نمونہ

اِسی طرح ایک دفعہ جب کہ آپ غزوہ خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے اور آپ کی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔ راستہ میں اونٹ بِدک گیا اور آپؐ اور حضرت صفیہؓ دونوں گر گئے۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا اونٹ آپؐ کے پیچھے ہی تھا وہ فوراً اپنے اونٹ سے کود کر آپؐ کی طرف گئے اور کہنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میری جان آپؐ پر قربان آپؐ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟ جب ابوطلحہؓ آپؐ کے پاس پہنچے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابوطلحہ! پہلے عورت کی طرف، پہلے عورت کی طرف۔ وہ تو رسول کریم ﷺ کے عاشق تھے جب آپؐ کی جان کا سوال ہو تو اُس وقت انہیں کوئی اور کیسے نظر آ سکتا تھا۔ مگر رسول کریم ﷺ

نے فرمایا جاؤ اور پہلے عورت کو اُٹھاؤ۔[۶۰] غرض عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کے متعلق ہمیں رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ایسا اعلیٰ نمونہ ملتا ہے جس نے دنیا میں عورت کے معیار کو بلند کر دیا ہے۔ اِسی طرح آپ نے انہیں ورثہ میں حصہ دلایا اور اِس طرح اُن کے حقوق کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا۔

اب میں دو تین واقعات آپؐ کی وفات سے تعلق رکھنے والے بیان کر دیتا ہوں جن سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں اخلاقِ فاضلہ کا کیسا شاندار نمونہ دکھایا۔

رسول کریم ﷺ جب فوت ہونے لگے تو آپؐ نے ایک خطبہ پڑھا جس میں صحابہؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا دیکھو! مَیں تم کو عورتوں کے متعلق خاص طور پر وصیت کرتا ہوں، اُن کا خیال رکھنا اور اُن پر کبھی سختی نہ کرنا۔[۶۱]

دوسری طرف آپؐ کو اپنے خادموں اور شاگردوں سے جو محبت تھی اُس کا نظارہ بھی ہمیں آپؐ کی ذات میں دکھائی دیتا ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ تکلیف کی حالت میں لوگ اپنے آرام کا کس قدر فکر رکھتے ہیں مگر رسول کریم ﷺ کی یہ حالت تھی کہ جب آپؐ کی مرض نے شدّت اختیار کر لی اور آپ اِس تکلیف کی وجہ سے نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں نہ جا سکتے تھے تو صحابہؓ جب نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے تو بعض دفعہ یہ خیال کر کے کہ رسول کریم ﷺ بیمار ہیں اور نماز کے لئے نہیں آ سکتے اُن کو اِس قدر صدمہ ہوتا کہ وہ رونے لگ جاتے اور اُن کی چیخیں اِس زور سے نکلتیں کہ دُور دُور تک اُن کی آواز سُنائی دیتی۔ ایک دفعہ جبکہ رسول کریم ﷺ کو تیز بخار چڑھا ہوا تھا آپؐ نے اپنی بیوی سے فرمایا پانی کی مشکیں لاؤ اور مجھ پر ڈالو۔ چنانچہ آپ ایک لگن میں بیٹھ گئے اور پانی کی سات آٹھ مشکیں آپؐ نے اپنے جسم پر ڈلوائیں اور ارادہ کیا کہ باہر نماز کے لئے تشریف لائیں مگر حالت خراب ہوگئی اور آپ تشریف نہ لا سکے۔ اِس کے بعد جب آپؐ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپؐ نے پھر اپنے اوپر پانی ڈلوایا اور چاہا کہ نماز کے لئے تشریف لے جائیں مگر آپؐ پھر بھی تشریف نہ لے جا سکے۔ کچھ دیر کے بعد جب پھر آپؐ نے افاقہ محسوس کیا تو پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا حضور! وہ آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اِس پر آپؐ نے پھر غسل کیا مگر تین دفعہ غسل

کرنے کے بعد بھی جب آپؐ نے طاقت محسوس نہ کی تو فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ ۶۲

غرض آپؐ نے اپنے صحابہؓ کی خاطر جس قدر قربانی ممکن تھی کی اور اُن کے جذبات اور احساسات کا ہر طرح خیال رکھا۔

صحابہؓ کی دلداری کی کوشش

اِسی طرح ایک دفعہ جب آپ کو بخار چڑھا ہوا تھا اور حالت خراب تھی آپ سہارا لے کر قریب کی کھڑکی کے پاس گئے اور پردہ اُٹھا کر آپ نے صحابہؓ کو نماز پڑھتے دیکھا اور مسکرائے۔ صحابہؓ پر اِس کا اِتنا اثر ہوا کہ قریب تھا بعض صحابہؓ خوشی میں اپنی نمازیں توڑ دیتے۔ پھر آپؐ سہارا لے کر چارپائی پر لیٹ گئے۔ اِس کے بعد آپ کو اُٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ ۶۳

دیکھو! یہ محبت کا کیسا شاندار نظارہ ہے۔ اُس محبت کا جو ہمارے آقا کو اپنے خادموں اور غلاموں سے تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ غلام بھی اپنے آقاؤں کے لئے وہ قربانی نہیں کیا کرتے جو خود ہمارے آقا نے اپنے غلاموں کے لئے کی۔

آپ کے انصاف کی ایک مثال مَیں نے پیچھے بیان کی ہے مگر ایک مثال مَیں نے عمداً چھوڑ دی تھی کیونکہ وہ آپ کی وفات کے ساتھ تعلق رکھتی تھی۔ اَب جبکہ مَیں آپ کی وفات کے حالات بیان کر رہا ہوں اُس جذبۂ انصاف کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں جو رسول کریم ﷺ کے اندر پایا جاتا تھا اور جس کا نمونہ آپ نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں دکھایا۔

جسمِ اطہر پر ایک صحابیؓ کا بوسہ

جب رسول کریم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا دیکھو! مَیں بھی انسان ہوں جیسے تم انسان ہو ممکن ہے مجھ سے تمہارے حقوق کے متعلق کبھی کوئی غلطی ہو گئی ہو اور مَیں نے تم میں سے کسی کو نقصان پہنچایا ہو اَب بجائے اِس کے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے سامنے ایسے رنگ میں پیش ہوں کہ تم مدعی بنو، مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی کو مجھ سے کوئی نقصان پہنچا ہو تو وہ اِسی دنیا میں مجھ سے اپنے نقصان کی تلافی کرا لے۔ صحابہؓ کو رسول کریم ﷺ سے جو عشق تھا اُس کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ

کے اِن الفاظ سے اُن کے دل پر کتنی چُھریاں چلی ہوں گی اور کس طرح اُن کے دل میں رقّت طاری ہوئی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہ پر رقت طاری ہوگئی۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اُن کیلئے بات کرنا مشکل ہوگیا۔ مگر ایک صحابیؓ اُٹھے اور انہوں نے کہا۔ یَارَ سُوْلَ اللّٰہِ! جب آپ نے کہا ہے کہ اگر کسی کو مَیں نے کوئی نقصان پہنچایا ہو تو وہ مجھ سے اِس کا بدلہ لے لے تو مَیں آپ سے ایک بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہاں۔ جلدی بتاؤ۔ تمہیں مجھ سے کیا نقصان پہنچا ہے۔ وہ صحابیؓ کہنے لگے۔ یَارَ سُوْلَ اللّٰہِ! فلاں جنگ کے موقع پر آپ صفیں درست کروا رہے تھے کہ ایک صف سے گزر کر آپ کو آگے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ جس وقت صف کو چیر کر آگے گئے تو آپ کی کہنی میری پیٹھ پر لگ گئی آج مَیں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں اُس وقت غصہ میں ہماری تلواریں میانوں سے باہر نکل رہی تھیں اور ہماری آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا اگر رسول کریم ﷺ اُس وقت ہمارے سامنے موجود نہ ہوتے تو یقیناً ہم اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے مگر رسول کریم ﷺ نے اپنی پیٹھ اُس کی طرف موڑ دی اور فرمایا۔ لو اپنا بدلہ لے لو اور مجھے بھی اُسی طرح کہنی مار لو۔ اُس آدمی نے کہا۔ یَارَ سُوْلَ اللّٰہِ! ابھی نہیں۔ جب آپ کی کہنی مجھے لگی تھی اُس وقت میری پیٹھ ننگی تھی اور آپ کی پیٹھ پر کپڑا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا۔ میری پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھا دو کہ یہ شخص اپنا بدلہ مجھ سے لے لے۔

جب صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھا دیا تو وہ صحابیؓ کانپتے ہوئے ہونٹوں اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ آگے بڑھا اور اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ننگی پیٹھ پر محبت سے ایک بوسہ دیا اور کہا۔ یَارَ سُوْلَ اللّٰہِ! کُجا بدلہ اور کُجا یہ ناچیز غلام! جس وقت حضور سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آ پہنچا ہے جس کے تصور سے بھی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو مَیں نے چاہا کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مَس کر لیں جسے خدا نے تمام برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ پس مَیں نے اِس کہنی لگنے کو اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کا ایک بہانہ بنایا اور مَیں نے چاہا کہ آخری دفعہ آپ کا بوسہ تو لے لوں۔[٦٤]

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! کہنی لگنا کیا چیز ہے۔ ہماری تو ہر چیز آپ کیلئے قربان ہے۔ میرے نفس نے تو یہ ایک بہانہ بنایا تھا تا کہ آپ کا بوسہ لینے کا موقع مل جائے۔ وہ صحابہؓ جو اُس شخص کو قتل کرنے پر آمادہ ہو رہے تھے جب انہوں نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ کہتے ہیں پھر ہم میں سے ہر شخص کو اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ ہمیں کیوں نہ یہ موقع ملا کہ ہم اپنے پیارے کا بوسہ لے لیتے۔

یہ وہ شخص تھا جو ہمارا ہادی اور راہنما تھا جس نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں ہمارے لئے وہ نمونہ دکھایا جس کی مثال اور کسی نبی میں نہیں مل سکتی۔

اسلام ہر مسلمان کو آرٹسٹ بناتا ہے

مجھے افسوس ہے کہ مَیں وقت کی قلت اور اپنی بیماری کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی مکمل تصویر نہیں کھینچ سکا مگر بہرحال جو کچھ مَیں نے بیان کیا ہے اگر اُسی کی ہم نقل کرنے لگیں اور اِنہیں اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں تو شاید صدیوں ہمیں اِس کی نقل کرنے میں لگ جائیں مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے ہم ان اخلاق کی نقل کرنے کے بغیر دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب تک ہم میں سے ہر شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس تصویر کو جو مَیں نے کھینچی ہے معہ اُن اخلاق کے جو مَیں نے بیان نہیں کئے اپنے دل پر نہیں کھینچ لیتا اور جب تک ہم میں سے ہر شخص ایک چھوٹا **محمد** نہیں بن جاتا اُس وقت تک ہم کبھی خدا تعالیٰ کے پیارے نہیں ہو سکتے۔

لوگ کہتے ہیں اسلام نے تصویر بنانا منع کر کے آرٹ کو نقصان پہنچایا ہے وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ اسلام تو ہر مسلمان کو آرٹسٹ بناتا ہے۔ وہ تصویر بنانے سے نہیں روکتا بلکہ ادنیٰ اور بے نفع تصویریں بنانے سے روکتا ہے اور وہ تصویر بنانے کا حکم دیتا ہے جو اِس دُنیا میں بھی انسان کے کام آنے والی ہے اور آخرت میں بھی انسان کے کام آنے والی ہے۔

لوگ تصویریں بناتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ وہ بُرش لے کر کبھی کُتّے کی تصویر بناتے ہیں، کبھی گدھے کی تصویر بناتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے کُتّے یا گدھے کی تصویر بنالی مگر اسلام کہتا ہے اے مسلمانو! تم میں سے ہر شخص رات اور دن، صبح اور شام، بچپن اور جوانی اور بڑھاپے میں عقل اور فہم کا بُرش لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کھینچتا رہے جو ہماری

تصویر ہے۔

پس اِس تصویر کو کھینچو اور بار بار کھینچو، یہاں تک کہ تم بھی محمد بن جاؤ اور چونکہ محمد ہماری تصویر ہے اِس لئے جب تم محمد بنو گے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تم بھی ہمارے قرب میں آ جاؤ گے۔ پس ہر مسلمان آرٹسٹ ہے، ہر مسلمان مصور ہے مگر وہ اُس قیمتی چیز کی تصویر بناتا ہے جو دنیا کے لئے بھی مفید ہے اور آخرت کیلئے بھی مفید ہے۔ وہ لغو چیزیں نہیں بناتا جن سے بہتر تصویریں نیچر نے پہلے ہی تیار کی ہوئی ہیں۔ ورنہ اسلام ہر مسلمان کو حکم دیتا ہے کہ جلوۂ الٰہی قلبِ محمد پر پڑ رہا ہے۔ اُس نے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اُس کی تصویر اپنے دل پر کھینچ لی ہے مگر تم میں سے ہر شخص کو خدا تعالیٰ کے اِس قدر قریب ہونے کی توفیق نہیں ہے۔ اِس لئے تم محمد رسول اللہ کے دل کی تصویر اپنے دلوں پر کھینچو۔ اِس طرح اصل کو دیکھ نہ سکو تو اُس کی تصویر سے تم ایک اور تصویر کھینچ سکو گے۔

غرض تمام انسان محمدی تصویر سے جمالِ الٰہی کی تصویر کھینچنے کے قابل ہیں۔ صرف ہمت کی ضرورت ہے اور کوشش کی ضرورت ہے ورنہ راستہ کھلا ہے اور ہمیشہ کھلا رہے گا۔

دوستوں کو ایک قیمتی نصیحت

مَیں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر یہ ملکہ پیدا کریں کہ جب بھی وہ کوئی کام کریں اِس حیثیت سے نہ کریں کہ مثلاً اللہ دتا یا عبداللہ یا شکراللہ یہ کام کر رہا ہے بلکہ جب بھی وہ کوئی کام کرنے لگیں اُس وقت سوچیں اور غور کریں کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جگہ ہوتے تو کیا وہ وہی کام کرتے جو مَیں کر رہا ہوں۔ آخر خدا ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ وہ ہم سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور آپ کی عادات کی پوری پوری نقل کریں اور وہی کام کریں جو آپ نے کئے۔

پس ہر کام کے کرتے وقت اپنے دل سے یہ سوال کر لیا کرو کہ مَیں جو کچھ کر رہا ہوں آیا یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کے نمونہ کے مطابق ہے؟ اور اگر اِس وقت میری جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو کیا وہ یہی کام کرتے؟ پھر تم خود بخود محسوس کرو گے کہ تمہارے دل میں اپنے افعال پر کتنی ندامت اور شرمندگی پیدا ہوتی ہے۔ ایک شخص تم سے کوئی

بات کہتا ہے اور تم غصہ میں اُسے ماں یا بہن کی گالی دے دیتے ہو۔ اگر گالی دیتے وقت تم یہ سوچو کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جگہ ہوتے تو کیا یہ گالی اُن کے منہ سے نکل سکتی تھی، تو یقیناً تمہارے دل میں ندامت پیدا ہوگی۔ اُس وقت تمہیں اِس بات کا احساس ہوگا کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہیں۔ اگر مَیں اِسی حالت میں مر گیا تو قیامت کے دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے متعلق اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یہ بھی میرے جیسا ہے، اِسے جنت میں داخل کر دیا جائے۔

یا تم دیکھتے ہو کہ ایک شخص بھوکا مَر رہا ہے اور تم اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے اور چپ کر کے وہاں سے چلے آتے ہو۔ اُس وقت تمہیں سوچنا چاہئے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جگہ ہوتے تو کیا وہ اسی طرح خاموشی سے گزر جاتے اور بھوکے کی کوئی مدد نہ کرتے۔

پس تم اپنی زندگی میں وہ اعمال بجا لاؤ جن کا نمونہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے سامنے رکھا ہے۔ تمہارے لئے نجات کا سوائے اِس کے اور کوئی ذریعہ نہیں کہ تم اپنے دل پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کھینچو اور اپنے آپ کو اُنہی جیسا بنانے کی کوشش کرو۔ بلکہ تمہارے لئے تو اِس زمانہ میں اور بھی آسانی پیدا ہوگئی ہے کیونکہ وہ تصویر جو مٹ چکی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے اُس کو دوبارہ روشن کر دیا ہے۔ مٹی ہوئی تصویر سے نقشہ کھینچنا مشکل ہوتا ہے لیکن اگر تصویر پر دوبارہ رنگ پھیر دیا جائے تو نقشہ اُتارنے میں کوئی دِقّت پیش نہیں آ سکتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک زندگی بخش کارنامہ

موجودہ زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو تصویر دُھندلی پڑ گئی تھی اور لوگوں کو نظر آنی مشکل ہوگئی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسی پر رنگ پھیر کر اُس کو روشن کر دیا ہے۔ پس اگر اب بھی غفلت سے کام لو، اب بھی اس تصویر کو اپنے دل پر اُتارنے کی کوشش نہ کرو، اب بھی اُس کی نقل کرنے میں کوتاہی سے کام لو تو یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ خدا نے ہمارے لئے ایک آسان صورت پیدا کر دی ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت

کے وہ تمام جام جو دوسروں کو پلائے گئے تھے وہ سب بھر بھر کر مجھے پلائے گئے ہیں۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل میں جب ہم نے آپ کی تصویر کو دیکھ لیا تو آج ہمارے لئے کوئی بھی بہانہ باقی نہیں رہا۔ آج کوئی بھی خلق ایسا باقی نہیں رہا جس کا نمونہ ہمارے سامنے موجود نہ ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھول کھول کر قرآن کریم کے احکام کی وہ تشریحات ہمارے سامنے رکھ دی ہیں جن پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عامل تھے۔ پس ہم میں سے ہر شخص کا خواہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، بچہ ہو یا ادھیڑ عمر کا فرض ہے کہ وہ مصور بن جائے اور ایسا کامل مصور بنے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کے مشابہہ تصویر اپنے قلب پر کھینچ لے۔

مَیں نے بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ شکل جو ممکن ہے خدا سے ملتی ہے۔ پس جب ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اپنے دل پر کھینچنے کی کوشش کریں گے تو چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصویر خدا کی تصویر ہے، اس لئے خدا کی تصویر ہمارے اندر آ جائے گی اور جب خدا کی تصویر ہمارے اندر آ جائے گی تو ہمارے لئے کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا، ہمارے سامنے کوئی ٹھوکر کا مقام نہیں آئے گا، ہماری اُمیدیں آپ ہی آپ حاصل ہو جائیں گی۔ خطرات آپ ہی آپ دُور ہو جائیں گے کیونکہ خدا ان سب باتوں سے مستغنی ہے۔ اُسے نہ کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے اور نہ اُس کا کوئی ارادہ پورا ہونے سے رہ سکتا ہے اِسی لئے مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جنت میں وہ جو چاہیں گے انہیں حاصل ہو جائے گا۔[۶۶] اِس کا مفہوم یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہونے اور اُس کی تصویر اپنے دل پر کھینچ لینے کے نتیجہ میں اُن کے دلوں میں وہی خواہش پیدا ہوگی جو پوری ہونے والی ہوگی۔

عورتوں کو نصیحت

عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ مَیں اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ سب سے زیادہ احسان اُن پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کیونکہ دنیا کے پردہ پر عورتوں سے بڑھ کر کوئی مظلوم قوم نہ تھی۔ وہ حقیر اور ذلیل سمجھی جاتی تھیں

اور اُن کو کہیں بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے اُن کی قدر و منزلت قائم کی اور اُن کے احساسات و جذبات کا خیال رکھنے کی مردوں کو ہدایت کی۔ اِس احسان کی یاد میں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن پر کیا ہے اُن کا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آپ کے اعمال اور اخلاق کی نقل کریں اور اعمال و اخلاق کے یہی نقوش اپنے بیٹوں اور اپنی بیٹیوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ آج کا انسان دراصل مجبور ہوتا ہے اُن اخلاق سے جو نو یا دس سال کی عمر میں اُس کے بنا دیئے جاتے ہیں۔ وہ نو یا دس سال کی عمر تک ماں کی گود میں پلتا اور اُسی سے اخلاق و عادات سیکھتا ہے۔

پس بہترین مصور دنیا میں عورتیں ہو سکتی ہیں جن کی گود میں اُن کے بچے پلتے ہیں اور جو چھوٹی عمر میں ہی اُن کے قلوب پر جو تصویر اُتارنا چاہیں اُتار سکتی ہیں۔ پس تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اپنی اولاد کے دلوں پر کھینچو تا کہ جب وہ بڑے ہوں تو انہیں کسی نئی تصویر کی ضرورت محسوس نہ ہو بلکہ اُن کے بڑے ہونے کے ساتھ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تصویر بھی بڑی ہو جائے جو اُن کی ماؤں نے اُن کے دلوں پر کھینچی تھی۔

اِس کے ساتھ ہی مَیں بڑوں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ جو کوتاہی آپ لوگوں سے اب تک اِس سلسلہ میں ہو چکی ہے اُس کو دُور کرو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ایسا اعلیٰ درجے کا نمونہ پیش کرو کہ دنیا والوں کو اِس جہان میں اِس کے سِوا اور کوئی چیز نظر ہی نہ آئے۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ہے کہ

جِدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

اِسی طرح ان اخلاق میں ترقی کرتے کرتے ایسی حالت ہو جائے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہم جدھر بھی دیکھیں ہمیں سوائے محمدؐ کے اور کوئی نظر نہ آئے۔ خواہ وہ چھوٹا محمد ہو یا بڑا محمد ہو اور یقینی بات ہے کہ جب اِس دنیا میں ہمیں محمد ہی محمد نظر آنے لگیں گے تو چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی صفات کی ایک تصویر ہیں اِس لئے دنیا میں توحید کامل پیدا ہو جائے گی اور شرک

باقی نہیں رہے گا کیونکہ جہاں خدا ہی خدا ہو وہاں شرک باقی نہیں رہ سکتا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (مطبوعہ ضیاءالاسلام پریس ربوہ ۱۹۶۱ء)

۱؎ التوبة: ۱۱۱ ۲؎ بنی اسرائیل: ۴۲ ۳؎ النساء: ۴۲

۴؎ النحل: ۹۰ ۵؎ الحج: ۷۹

۶؎ **ایلوہ:**(ایلوا)۔ایک نہایت کڑوی دوا

۷؎ **تیتریاں:** تیتری کی جمع۔ایک خوبصورت پروں والا کیڑا۔تتلی۔بھنبیری

۸؎ بخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب الصلوات الخمس کفارۃ

۹؎ مسلم کتاب البر والصلة باب فضل عیادۃ المریض

۱۰؎ الانعام: ۸۴تا۹۱ ۱۱؎ الانعام: ۹۳

۱۲؎ مسند احمد بن حنبل جلد۶ صفحہ۲۱۶ مطبوعہ مصر ۱۳۱۳ھ

۱۳؎ اٰل عمران: ۳۲ ۱۴؎ النساء: ۱۷ ۱۵؎ الجمعة: ۴

۱۶؎ دیوان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۶

۱۷؎ درثمین فارسی صفحہ ۲۳۸۔ناشر نظارت اشاعت ربوہ

۱۸؎ بنی اسرائیل: ۴۳ ۱۹؎ القیامة: ۲۳، ۲۴ ۲۰؎ النجم: ۱۸تا۲۱

۲۱؎ تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۰ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴۱۲

۲۲؎ یوسف: ۱۰۹

۲۳؎ السیرۃ الحلبیة جلد۲ صفحہ ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۲۴؎ التوبة: ۴۰

۲۵؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم باب مناقب المهاجرین و فضلهم

۲۶؎ زرقانی شرح مواهب اللدنیة جلد۲ صفحہ ۱۵ مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ

۲۷؎

۲۸؎ مسلم کتاب الجهاد و السير باب غزوه حنين
۲۹؎ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۹، ۱۰ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۳۰؎ الاحزاب: ۱۴ ۳۱؎ الاحزاب: ۲۳
۳۲؎ بخاری کتاب الرقاق باب الصبر عن محارم اللّٰه
۳۳؎ بخاری کتاب الرقاق باب القصد و المداومة على العمل
۳۴؎ بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و وفاته
۳۵؎ سیرت ابن هشام جلد ا صفحہ ۸۹ مطبوعہ مصر ۱۹۹۵ء
۳۶؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ سدو الابواب الا باب ابی بکر
۳۷؎
۳۸؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۶۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء
۳۹؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوة اُحد
۴۰؎ بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ و وفاته
۴۱؎
۴۲؎ بخاری کتاب الزکوة باب اخذ صدقة التمر عند صرام النحل (الخ)
۴۳؎ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی (الخ)
۴۴؎ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورة اللهب
۴۵؎ بخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین من الکبائر
۴۶؎
۴۷؎ بخاری کتاب فرض الخمس باب ما کان النبی ﷺ یعطی المؤلفة قلوبهم
۴۸؎ بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الاسلام
۴۹؎ السیرة الحلبیه جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ مطبع محمد علی صبیح مصر ۱۹۳۵ء
۵۰؎ بخاری کتاب الوضوء باب صب الماء علی البول فی المسجد

۵۱؎ بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید

۵۲؎

۵۳؎

۵۴؎

۵۵؎

۵۶؎

۵۷؎ الشعراء: ۴

۵۸؎ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ النساء باب فکیف اذا جئنا (الخ)

۵۹؎ مسند احمد بن حنبل جلد۲ صفحہ ۴۹۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۶۰؎ بخاری کتاب الجہاد والسیر باب مایقول اذا رجع من الغزو

۶۱؎ ترمذی کتاب الرضاع باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجها

۶۲،۶۳؎ طبقات ابن سعد جلد۲ صفحہ ۳۵۸،۳۵۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۶ء

۶۴؎ سیرت ابن هشام جلد۲ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۶۵؎ لَهُمْ فِيْهَا مَايَشَاءُ وْنَ (النحل:۳۲)